

گرمی حسرت ناکام سے جل جاتے ہیں
 ہم چراغوں کی طرح شام سے جل جاتے ہیں
 شمع جس آگ میں جلتی ہے نمائش کے لیے
 ہم اسی آگ میں گمنام سے جل جاتے ہیں
 بچ نکلتے ہیں اگر آتش سیال سے ہم
 شعلہ عارض گلفام سے جل جاتے ہیں
 خود نمائی تو نہیں شیوہ ارباب وفا
 جن کو جلنا ہو وہ آرام سے جل جاتے ہیں
 ربط باہم ہم ہمیں کیا نہ کہیں گے دشمن
 آشنا جب ترے پیغام سے جل جاتے ہیں
 جب بھی آتا ہے مرا نام ترے نام کے ساتھ
 جانے کیوں لوگ مرے نام سے جل جاتے ہیں
 اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں سجا لے مجھ کو
 میں ہوں تیرا تو نصیب اپنا بنا لے مجھ کو
 میں جو کانتا ہوں تو چل مجھ سے بچا کر دامن
 میں ہوں گر پھول تو جوڑے میں سجا لے مجھ کو
 ترک الفت کی قسم بھی کوئی ہوتی ہے قسم
 تو کبھی یاد تو کر بھولنے والے مجھ کو
 مجھ سے تو پوچھنے آیا ہے وفا کے معنی
 یہ تری سادہ دلی مار نہ ڈالے مجھ کو
 میں سمندر بھی ہوں موتی بھی ہوں غوطہ زن بھی
 کوئی بھی نام مرا لے کے بلا لے مجھ کو
 تو نے دیکھا نہیں آئینے سے آگے کچھ بھی
 خود پرستی میں کہیں تو نہ گنوا لے مجھ کو
 باندھ کر سنگ وفا کر دیا تو نے غرقاب
 کون ایسا ہے جو اب ڈھونڈ نکالے مجھ کو
 خود کو میں بانٹ نہ ڈالوں کہیں دامن دامن
 کر دیا تو نے اگر میرے حوالے مجھ کو
 میں کھلے در کے کسی گھر کا ہوں ساماں پیارے
 تو دے پاؤں کبھی آ کے چرا لے مجھ کو
 کل کی بات اور ہے میں اب سا رہوں یا نہ رہوں
 جتنا جی چاہے ترا آج سنا لے مجھ کو
 بادہ پھر بادہ ہے میں زہر بھی پی جاؤں قتیل
 شرط یہ ہے کوئی ہانپوں میں سنبھالے مجھ کو
 پریشاں رات ساری ہے ستارو تم تو سو جاؤ
 سکوت مرگ طاری ہے ستارو تم تو سو جاؤ
 بنسو اور بنستے بنستے ڈوبتے جاؤ خلاؤں میں
 ہمیں ہم رات بھاری ہے ستارو تم تو سو جاؤ
 ہمیں تو آج کی شب پو پھٹے تک جاگنا ہوگا
 یہی قسمت ہماری ہے ستارو تم تو سو جاؤ
 تمہیں کیا آج بھی کوئی اگر ملنے نہیں آیا
 یہ بازی ہم نے باری ہے ستارو تم تو سو جاؤ
 کہے جاتے ہو رو رو کر ہمارا حال دنیا سے
 یہ کیسی رازداری ہے ستارو تم تو سو جاؤ
 ہمیں بھی نیند آ جائے گی ہم بھی سو ہی جائیں گے
 ابھی کچھ ہے قراری ہے ستارو تم تو سو جاؤ
 اپنے ہونٹوں پر سجانا چاہتا ہوں
 آ تجھے میں گنگنا چاہتا ہوں
 کوئی آنسو تیرے دامن پر گرا کر
 ہوند کو موتی بنانا چاہتا ہوں

تھک گیا میں کرتے کرتے یاد تجھ کو
 اب تجھے میں یاد آنا چاہتا ہوں
 چھا رہا ہے ساری بستی میں اندھیرا
 روشنی کو، گھر جلانا چاہتا ہوں
 آخری ہچکی ترے زانو پہ آئے
 موت بھی میں شاعرانہ چاہتا ہوں
 صدمہ تو ہے مجھے بھی کہ تجھ سے جدا ہوں میں
 لیکن یہ سوچتا ہوں کہ اب تیرا کیا ہوں میں
 بکھرا پڑا ہے تیرے ہی گھر میں ترا وجود
 بے کار محفلوں میں تجھے ڈھونڈتا ہوں میں
 میں خودکشی کے جرم کا کرتا ہوں اعتراف
 اپنے بدن کی قبر میں کب سے گڑا ہوں میں
 کس کس کا نام لاؤں زباں پر کہ تیرے ساتھ
 ہر روز ایک شخص نیا دیکھتا ہوں میں
 کیا جانے کس ادا سے لیا تو نے میرا نام
 دنیا سمجھ رہی ہے کہ سچ مچ ترا ہوں میں
 پہنچا جو تیرے در پہ تو محسوس یہ ہوا
 لمبی سی ایک قطار میں جیسے کھڑا ہوں میں
 لے میرے تجربوں سے سبق اے مرے رفیق
 دو چار سال عمر میں تجھ سے بڑا ہوں میں
 جاگا ہوا ضمیر وہ اٹینہ ہے قتیل
 سونے سے پہلے روز جسے دیکھتا ہوں میں
 وہ دل ہی کیا ترے ملنے کی جو دعا نہ کرے
 میں تجھ کو بھول کے زندہ رہوں خدا نہ کرے
 رہے گا ساتھ ترا پیار زندگی بن کر
 یہ اور بات مری زندگی وفا نہ کرے
 یہ ٹھیک ہے نہیں مرتا کوئی جدائی میں
 خدا کسی کو کسی سے مگر جدا نہ کرے
 سنا ہے اس کو محبت دعائیں دیتی ہے
 جو دل پہ چوٹ تو کھائے مگر گلہ نہ کرے
 اگر وفا پہ بھروسہ رہے نہ دنیا کو
 تو کوئی شخص محبت کا حوصلہ نہ کرے
 بجھا دیا ہے نصیبوں نے میرے پیار کا چاند
 کوئی دیا مری پلکوں پہ اب جلا نہ کرے
 زمانہ دیکھ چکا ہے پرکھ چکا ہے اسے
 قتیل جان سے جائے پر التجا نہ کرے
 تم بوجھو اور میں نہ بتاؤں ایسے تو حالات نہیں
 ایک ذرا سا دل ٹوٹا ہے اور تو کوئی بات نہیں
 کس کو خبر تھی سانولے بادل بن برسے اڑ جاتے ہیں
 ساون آیا لیکن اپنی قسمت میں برسات نہیں
 ٹوٹ گیا جب دل تو پھر یہ سانس کا نغمہ کیا معنی
 گونج رہی ہے کیوں شہنائی جب کوئی بارات نہیں
 غم کے اندھیارے میں تجھ کو اپنا ساتھی کیوں سمجھوں
 تو پھر تو ہے میرا تو سایہ بھی میرے ساتھ نہیں
 مانا جیوں میں عورت اک بار محبت کرتی ہے
 لیکن مجھ کو یہ تو بتا دے کیا تو عورت ذات نہیں
 ختم ہوا میرا فسانہ اب یہ آنسو پونچھ بھی لو
 جس میں کوئی تارا چمکے آج کی رات وہ رات نہیں
 میرے غمگیں ہونے پر احباب ہیں یوں حیران قتیل
 جیسے میں پتھر ہوں میرے سینے میں جذبات نہیں

کیا ہے پیار جسے ہم نے زندگی کی طرح
وہ آشنا بھی ملا ہم سے اجنبی کی طرح
کسے خبر تھی بڑھے گی کچھ اور تاریکی
چھپے گا وہ کسی بدلی میں چاندنی کی طرح
بڑھا کے پیاس مری اس نے ہاتھ چھوڑ دیا
وہ کر رہا تھا مروت بھی دل لگی کی طرح
ستم تو یہ ہے کہ وہ بھی نہ بن سکا اپنا
قبول ہم نے کیے جس کے غم خوشی کی طرح
کبھی نہ سوچا تھا ہم نے قتیلؔ اس کے لیے
کرے گا ہم یہ ستم وہ بھی ہر کسی کی طرح
یہ معجزہ بھی محبت کبھی دکھانے مجھے
کہ سنگ تجھ پہ گرے اور زخم آئے مجھے
میں اپنے پاؤں تلے روندتا ہوں سائے کو
بدن مرا ہی سہی دوپہر نہ بھائے مجھے
ہم رنگ عود ملے گی اسے مری خوشبو
وہ جب بھی چاہے بڑے شوق سے جلائے مجھے
میں گھر سے تیری تمنا پہن کے جب نکلوں
برہنہ شہر میں کوئی نظر نہ آئے مجھے
وہی تو سب سے زیادہ ہے نکتہ چیں میرا
جو مسکرا کے ہمیشہ گلے لگائے مجھے
میں اپنے دل سے نکالوں خیال کس کس کا
جو تو نہیں تو کوئی اور یاد آئے مجھے
زمانہ درد کے صحرا تک آج لے آیا
گزار کر تری زلفوں کے سائے سائے مجھے
وہ میرا دوست ہے سارے جہاں کو ہے معلوم
دغا کرے وہ کسی سے تو شرم آئے مجھے
وہ مہرباں ہے تو اقرار کیوں نہیں کرتا
وہ بد گماں ہے تو سو بار آزمائے مجھے
میں اپنی ذات میں نیلام ہو رہا ہوں قتیلؔ
غم حیات سے کہہ دو خرید لائے مجھے
تمہاری انجمن سے اٹھ کے دیوانے کہاں جاتے
جو وابستہ ہوئے تم سے وہ افسانے کہاں جاتے

نکل کر دیر و کعبہ سے اگر ملتا نہ مے خانہ
تو ٹھکرائے ہوئے انسان خدا جانے کہاں جاتے

تمہاری بے رخی نے لاج رکھ لی بادہ خانے کی
تم آنکھوں سے پلا دیتے تو پیمانے کہاں جاتے

چلو اچھا ہوا کام آ گئی دیوانگی اپنی
وگرنہ ہم زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے

قتیلؔ اپنا مقدر غم سے بیگانہ اگر ہوتا
تو پھر اپنے پرانے ہم سے پہچانے کہاں جاتے

حالات کے قدموں پہ قلندر نہیں گرتا
 ٹوٹے بھی جو تارا تو زمیں پر نہیں گرتا
 گرتے ہیں سمندر میں بڑے شوق سے دریا
 لیکن کسی دریا میں سمندر نہیں گرتا
 سمجھو وہاں پھل دار شجر کوئی نہیں ہے
 وہ صحن کہ جس میں کوئی پتھر نہیں گرتا
 اتنا تو ہوا فائدہ بارش کی کمی کا
 اس شہر میں اب کوئی پھسل کر نہیں گرتا
 انعام کے لالچ میں لکھے مدح کسی کی
 اتنا تو کبھی کوئی سخن ور نہیں گرتا
 حیراں بے کئی روز سے ٹھہرا ہوا پانی
 تالاب میں اب کیوں کوئی کنکر نہیں گرتا
 اس بندہ خوددار پہ نییوں کا بے سایہ
 جو بھوک میں بھی لقمہ تر پر نہیں گرتا
 کرنا ہے جو سر معرکہ زیست تو سن لے
 بے بازوئے حیدر در خیبر نہیں گرتا
 قائم بے قتیل اب یہ مرے سر کے ستوں پر
 بھونچال بھی آنے تو مرا گھر نہیں گرتا
 وہ شخص کہ میں جس سے محبت نہیں کرتا
 بنستا ہے مجھے دیکھ کے نفرت نہیں کرتا
 پکڑا ہی گیا ہوں تو مجھے دار پہ کھینچو
 سچا ہوں مگر اپنی وکالت نہیں کرتا
 کیوں بخش دیا مجھ سے گنہ گار کو مولا
 منصف تو کسی سے بھی رعایت نہیں کرتا
 گھر والوں کو غفلت پہ سبھی کوس رہے ہیں
 چوروں کو مگر کوئی ملامت نہیں کرتا
 کس قوم کے دل میں نہیں جذبات براہیم
 کس ملک پہ نمرود حکومت نہیں کرتا
 دیتے ہیں اجالے مرے سجدوں کی گواہی
 میں چھپ کے اندھیرے میں عبادت نہیں کرتا
 بھولا نہیں میں آج بھی آداب جوانی
 میں آج بھی اوروں کو نصیحت نہیں کرتا
 انسان یہ سمجھیں کہ یہاں دفن خدا ہے
 میں ایسے مزاروں کی زیارت نہیں کرتا
 دنیا میں قتیل اس سا منافق کوئی
 جو ظلم تو سہتا ہے بغاوت نہیں کرتا
 حسن کو چاند جوانی کو کنول کہتے ہیں
 ان کی صورت نظر آنے تو غزل کہتے ہیں
 اف وہ مرمر سے تراشا ہوا شفاف بدن
 دیکھنے والے اسے تاج محل کہتے ہیں
 وہ ترے حسن کی قیمت سے نہیں ہیں واقف
 پنکھڑی کو جو ترے لب کا بدل کہتے ہیں
 پڑ گئی پاؤں میں تقدیر کی زنجیر تو کیا
 ہم تو اس کو بھی تری زلف کا بل کہتے ہیں
 مل کر جدا ہوئے تو نہ سویا کریں گے ہم
 اک دوسرے کی یاد میں رویا کریں گے ہم
 آنسو جھلک جھلک کے ستائیں گے رات بھر
 موتی پلک پلک میں پرویا کریں گے ہم
 جب دوریوں کی آگ دلوں کو جلائے گی
 جسموں کو چاندنی میں بھگویا کریں گے ہم

بن کر ہر ایک بزم کا موضوع گفتگو
 شعروں میں تیرے غم کو سمویا کریں گے ہم
 مجبوریوں کے زیر سے کر لیں گے خودکشی
 یہ بزدلی کا جرم بھی گویا کریں گے ہم
 دل جل رہا ہے زرد شجر دیکھ دیکھ کر
 اب چابتوں کے بیچ نہ بویا کریں گے ہم
 گر دے گیا دغا ہمیں طوفان بھی قتیل
 ساحل پر کشتیوں کو ڈبویا کریں گے ہم
 انگڑائی پر انگڑائی لیتی ہے رات جدائی کی
 تم کیا سمجھو تم کیا جانو بات مری تنہائی کی
 کون سیابی گھول رہا تھا وقت کے بہتے دریا میں
 میں نے آنکھ جھکی دیکھی ہے آج کسی برجائی کی
 ٹوٹ گئے سیال نگیں پھوٹ بہے رخساروں پر
 دیکھو میرا ساتھ نہ دینا بات ہے یہ رسوائی کی
 وصل کی رات نہ جانے کیوں اصرار تھا ان کو جانے پر
 وقت سے پہلے ڈوب گئے تاروں نے بڑی دانائی کی
 اڑتے اڑتے اُس کا پنچھی دور افق میں ڈوب گیا
 روتے روتے بیٹھ گئی آواز کسی سودانی کی
 چاندی جیسا رنگ ہے تیرا سونے جیسے بال
 اک تو ہی دھنواں ہے گوری باقی سب کنگال
 ہر آنکھ میں اُنے تیرے اجلے روپ کی دھوپ
 چھیل چھیلی رانی تھوڑا گھونگھٹ اور نکال
 بھر بھر نظریں دیکھیں تجھ کو اُتے جاتے لوگ
 دیکھ تجھے بدنام نہ کر دے یہ برنی سی چال
 کتنی سندھ ناز ہو کوئی میں آواز نہ دوں
 تجھ سا جس کا نام نہیں ہے وہ جی کا جنجال
 سامنے تو اُتے تو دھڑکیں مل کر لاکھوں دل
 اب جانا دھرتی پر کیسے اُتے ہیں بھونچال
 بیچ میں رنگ محل ہے تیرا کھائی چاروں اور
 ہم سے ملنے کی اب گوری تو ہی راہ نکال
 کر سکتے ہیں چاہ تری اب سرمہ یا منصور
 ملے کسی کو دار یہاں اور کھنچے کسی کی کھال
 یہ دنیا ہے خود غرضوں کی لیکن یار قتیل
 تو نے ہمارا ساتھ دیا تو جیے ہزاروں سال
 دور تک چھائے تھے بادل اور کہیں سایہ نہ تھا
 اس طرح برسات کا موسم کبھی آیا نہ تھا
 سرخ آبن پر ٹپکتی بوند ہے اب ہر خوشی
 زندگی نے یوں تو پہلے ہم کو ترسایا نہ تھا
 کیا ملا آخر تجھے سایوں کے پیچھے بھاگ کر
 اے دل نادان تجھے کیا ہم نے سمجھایا نہ تھا
 اف یہ سننا کہ ابٹ تک نہ ہو جس میں مخل
 زندگی میں اس قدر ہم نے سکون پایا نہ تھا
 خوب روئے چھپ کے گھر کی چار دیواری میں ہم
 حال دل کہنے کے قابل کوئی ہم سایہ نہ تھا
 ہو گئے قلاش جب سے اُس کی دولت لٹی
 پاس اپنے اور تو کوئی بھی سرمایہ نہ تھا
 وہ پیمبر ہو کہ عاشق قتل گاہ شوق میں
 تاج کانٹوں کا کسے دنیا نے پہنایا نہ تھا
 اب کھلا جھونکوں کے پیچھے چل رہی تھیں آندھیاں
 اب جو منظر ہے وہ پہلے تو نظر آیا نہ تھا

صرف خوشبو کی کمی تھی غور کے قابل قتیل
 ورنہ گلشن میں کوئی بھی پھول مرجھایا نہ تھا
 میں نے پوچھا پہلا پتھر مجھ پر کون اٹھائے گا
 اُنی اک آواز کہ تو جس کا محسن کہلائے گا
 پوچھ سکے تو پوچھے کوئی روٹھ کے جانے والوں سے
 روشنیوں کو میرے گھر کا رستہ کون بتائے گا
 ڈالی ہے اس خوش فہمی نے عادت مجھ کو سونے کی
 نکلے گا جب سورج تو خود مجھ کو آن جگائے گا
 لوگو میرے ساتھ چلو تم جو کچھ ہے وہ آگے ہے
 پیچھے مڑ کر دیکھنے والا پتھر کا ہو جائے گا
 دن میں بنس کر ملنے والے چہرے صاف بتاتے ہیں
 ایک بھیانک سپنا مجھ کو ساری رات ڈرائے گا
 میرے بعد وفا کا دھوکا اور کسی سے مت کرنا
 گالی دے گی دنیا تجھ کو سر میرا جھک جائے گا
 سوکھ گئی جب آنکھوں میں پیار کی نیلی جھیل قتیل
 تیرے درد کا زرد سمندر کاے شور مچائے گا
 حالات سے خوف کھا رہا ہوں
 شیشے کے محل بنا رہا ہوں
 سینے میں مرے بے موم کا دل
 سورج سے بدن چھپا رہا ہوں
 محروم نظر ہے جو زمانہ
 اُٹینہ اسے دکھا رہا ہوں
 احباب کو دے رہا ہوں دھوکا
 چہرے پہ خوشی سجا رہا ہوں
 دریائے فرات ہے یہ دنیا
 پیاسا ہی پلٹ کے جا رہا ہوں
 بے شہر میں قحط پتھروں کا
 جذبات کے زخم کھا رہا ہوں
 ممکن ہے جواب دے اداسی
 در اپنا ہی کھٹکھٹا رہا ہوں
 آیا نہ قتیل دوست کوئی
 سایوں کو گلے لگا رہا ہوں
 یہ کس نے کہا تم کوچ کرو باتیں نہ بناؤ انشا جی
 یہ شہر تمہارا اپنا ہے اسے چھوڑ نہ جاؤ انشا جی
 جتنے بھی یہاں کے باسی ہیں سب کے سب تم سے پیار کریں
 کیا ان سے بھی منہ پھیرو گے یہ ظلم نہ ڈھاؤ انشا جی
 کیا سوچ کے تم نے سینچی تھی یہ کیسر کیاری چابت کی
 تم جن کو بنسائے آئے تھے ان کو نہ رلاؤ انشا جی
 تم لاکھ سیاحت کے ہو دھنی اک بات ہماری بھی مانو
 کوئی جا کے جہاں سے اُتا نہیں اس دیس نہ جاؤ انشا جی
 بکھراتے ہو سونا حرفوں کا تم چاندی جیسے کاغذ پر
 پھر ان میں اپنے زخموں کا مت زہر ملاؤ انشا جی
 اک رات تو کیا وہ حشر تلک رکھے گی کھلا دروازے کو
 کب لوٹ کے تم گھر آؤ گے سجنی کو بتاؤ انشا جی
 نہیں صرف قتیل کی بات یہاں کہیں ساحر ہے کہیں عالی ہے
 تم اپنے پرانے یاروں سے دامن نہ چھڑاؤ انشا جی
 کھلا ہے جھوٹ کا بازار آؤ سچ بولیں
 نہ ہو بلا سے خریدار آؤ سچ بولیں
 سکوت چھایا ہے انسانیت کی قدروں پر
 یہی ہے موقع اظہار آؤ سچ بولیں

ہمیں گواہ بنایا ہے وقت نے اپنا
 بنام عظمت کردار اُس سچ بولیں
 سنا ہے وقت کا حاکم بڑا ہی منصف ہے
 پکار کر سر دربار اُس سچ بولیں
 تمام شہر میں کیا ایک بھی نہیں منصور
 کہیں گے کیا رسن و دار اُس سچ بولیں
 بجا کہ خوئے وفا ایک بھی حسین میں نہیں
 کہاں کے ہم بھی وفادار اُس سچ بولیں
 جو وصف ہم میں نہیں کیوں کریں کسی میں تلاش
 اگر ضمیر ہے بیدار اُس سچ بولیں
 چھپانے سے کہیں چھپتے ہیں داغ چہرے کے
 نظر ہے اُنہ بردار اُس سچ بولیں
 قتیل جن پہ سدا پتھروں کو پیار آیا
 کدھر گئے وہ گنہ گار اُس سچ بولیں
 اگرچہ مجھ کو جدائی تری گوارا نہیں
 سوائے اس کے مگر اور کوئی چارہ نہیں
 خوشی سے کون بھلاتا ہے اپنے پیاروں کو
 قصور اس میں زمانے کا ہے تمہارا نہیں
 تمہارے ذکر سے یاد آئے کیا گھٹا کے سوا
 ہمارے پاس کوئی اور استعارا نہیں
 یہ التفات کی بھیک اپنے پاس رہنے دے
 ترے فقیر نے دامن کبھی پسارا نہیں
 مرا تو صرف بھنور تک سفینہ پہنچا ہے
 تجھے تو ڈوبنے والوں نے بھی پکارا نہیں
 ہر ایک ربط ترے واسطے سے تھا ورنہ
 بھرے جہاں میں کوئی آشنا ہمارا نہیں
 جو تیری دید نے بخشے وہی ہیں زخم بہت
 اب اپنے دل میں کوئی حسرت نظارہ نہیں
 بنا سکوں جسے جھومر تمہارے ماتھے کا
 فلک ہم آج بھی ایسا کوئی ستارا نہیں
 چلائے جاؤ قتیل اپنا کاروبار وفا
 جو اس میں جان بھی جانے تو کچھ خسارا نہیں
 اے دوست تری آنکھ جو ہم ہے تو مجھے کیا
 میں خوب ہنسوں گا تجھے غم ہے تو مجھے کیا
 کیا میں نے کہا تھا کہ زمانے سے بھلا کر
 اب تو بھی سزاوار ستم ہے تو مجھے کیا
 ہاں لے لے قسم گر مجھے قطرہ بھی ملا ہو
 تو شاکئی ارباب کرم ہے تو مجھے کیا
 جس در سے ندامت کے سوا کچھ نہیں ملتا
 اس در پہ ترا سر بھی جو خم ہے تو مجھے کیا
 میں نے تو پکارا ہے محبت کے افق سے
 رستے میں ترے سنگ حرم ہے تو مجھے کیا
 بھولا تو نہ ہوگا تجھے سقراط کا انجام
 باتھوں میں ترے ساغر سم ہے تو مجھے کیا
 پتھر نہ پڑیں گر سر بازار تو کہنا
 تو معترف حسن صنم ہے تو مجھے کیا
 میں سرمد و منصور بنا ہوں تری خاطر
 یہ بھی تری امید سے کم ہے تو مجھے کیا
 دل ہم آئے ہوئے الزام سے پہچانتے ہیں
 لوگ اب مجھ کو ترے نام سے پہچانتے ہیں

اُنینہ دار محبت ہوں کہ ارباب وفا
 اپنے غم کو مرے انجام سے پہچانتے ہیں
 بادہ و جام بھی اک وجہ ملاقات سہی
 ہم تجھے گردش ایام سے پہچانتے ہیں
 پو پھٹے کیوں مری پلکوں پہ سجاتے ہو انہیں
 یہ ستارے تو مجھے شام سے پہچانتے ہیں
 اس ادا سے بھی ہوں میں آشنا تجھے اتنا جس پہ غرور ہے
 میں جیوں گا تیرے بغیر بھی مجھے زندگی کا شعور ہے
 نہ بوس مجھے مئے ناب کی نہ طلب صبا و سحاب کی
 تری چشم ناز کی خیر ہو مجھے بے پیے ہی سرور ہے
 جو سمجھ لیا تجھے با وفا تو پھر اس میں تیری بھی کیا خطا
 یہ خلل ہے میرے دماغ کا یہ مری نظر کا قصور ہے
 کوئی بات دل میں وہ ٹھان کے نہ الجھ پڑے تری شان سے
 وہ نیاز مند جو سر ہم خم کئی دن سے تیرے حضور ہے
 مجھے دیں گی خاک تسلیاں تری جاں گداز تجلیاں
 میں سوال شوق وصال ہوں تو جلال شعلہ طور ہے
 میں نکل کے بھی ترے دام سے نہ گروں گا اپنے مقام سے
 میں قتیل تیغ جفا سہی مجھے تجھ سے عشق ضرور ہے
 یارو کسی قاتل سے کبھی پیار نہ مانگو
 اپنے ہی گلے کے لیے تلوار نہ مانگو
 گر جاؤ گے تم اپنے مسیحا کی نظر سے
 مر کر بھی علاج دل بیمار نہ مانگو
 کھل جائے گا اس طرح نگاہوں کا بہرہ بھی
 کانٹوں سے کبھی پھول کی مہکار نہ مانگو
 سچ بات پہ ملتا ہے سدا زہر کا پیالہ
 جینا ہے تو پھر جینے کا اظہار نہ مانگو
 اس چیز کا کیا ذکر جو ممکن ہی نہیں ہے
 صحرا میں کبھی سایہ دیوار نہ مانگو
 رقص کرنے کا ملا حکم جو دریاؤں میں
 ہم نے خوش ہو کے بہنور باندھ لئے پاؤں میں
 ان کو بھی بے کسی بھیگے ہوئے منظر کی تلاش
 بوند تک بھی نہ ہو سکے جو کبھی صحراؤں میں
 اے مرے ہم سفرو تم بھی تھکے بارے ہو
 دھوپ کی تم تو ملاوٹ نہ کرو چھاؤں میں
 جو بھی آتا ہے بتاتا ہے نیا کوئی علاج
 ہٹ نہ جائے ترا بیمار مسیحاؤں میں
 حوصلہ کس میں ہے یوسف کی خریداری کا
 اب تو مہنگائی کے چرچے ہیں زلیخاؤں میں
 جس برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
 اس کو دفناؤ مرے ہاتھ کی ریکھاؤں میں
 وہ خدا ہے کسی ٹوٹے ہوئے دل میں ہوگا
 مسجدوں میں اسے ڈھونڈو نہ کلیساؤں میں
 ہم کو آپس میں محبت نہیں کرنے دیتے
 اک بھی عیب ہے اس شہر کے داناؤں میں
 مجھ سے کرتے ہیں قتیل اس لئے کچھ لوگ حسد
 کیوں مرے شعر ہیں مقبول حسیناؤں میں
 مرحلہ رات کا جب اُنے گا
 جسم سائے کو ترس جائے گا
 چل پڑی رسم جو کچ فہمی کی
 بات کیا پھر کوئی کر پائے گا

سچ سے کترائے اگر لوگ یہاں
 لفظ مفہوم سے کترائے گا
 اعتبار اس کا ہمیشہ کرنا
 وہ تو جھوٹی بھی قسم کھائے گا
 تو نہ ہوگی تو پھر اے شام فراق
 کون آ کر ہمیں بہلائے گا
 ہم اسے یاد بہت اُنیں گے
 جب اسے بھی کوئی ٹھکرائے گا
 کائنات اس کی مری ذات میں ہے
 مجھ کو کھو کر وہ کسے پائے گا
 نہ رہے جب وہ بھلے دن بھی قَتیل
 یہ زمانہ بھی گزر جائے گا
 آؤ کوئی تفریح کا سامان کیا جائے
 پھر سے کسی واعظ کو پریشان کیا جائے
 بے لغزش پا مست ہوں ان آنکھوں سے پی کر
 یوں محتسب شہر کو حیران کیا جائے
 ہر شے سے مقدس ہے خیالات کا رشتہ
 کیوں مصلحتوں پر اسے قربان کیا جائے
 مفلس کے بدن کو بھی بے چادر کی ضرورت
 اب کھل کے مزاروں پہ یہ اعلان کیا جائے
 وہ شخص جو دیوانوں کی عزت نہیں کرتا
 اس شخص کا بھی چاک گریبان کیا جائے
 پہلے بھی قَتیل آنکھوں نے کھائے کئی دھوکے
 اب اور نہ بینائی کا نقصان کیا جائے
 اسے منا کر غرور اس کا بڑھا نہ دینا
 وہ سامنے آئے بھی تو اس کو صدا نہ دینا
 خلوص کو جو خوشامدوں میں شمار کر لیں
 تم ایسے لوگوں کو تحفتاً بھی وفا نہ دینا
 وہ جس کی ٹھوکر میں ہو سنبھلنے کا درس شامل
 تم ایسے پتھر کو راستے سے ہٹا نہ دینا
 سزا گناہوں کی دینا اس کو ضرور لیکن
 وہ آدمی ہے تم اس کی عظمت گھٹا نہ دینا
 جہاں رفاقت ہو فتنہ پرداز مولوی کی
 بہشت ایسی کسی کو میرے خدا نہ دینا
 قَتیل مجھ کو بھی سکھایا مرے نبی نے
 کہ فتح پا کر بھی دشمنوں کو سزا نہ دینا
 یارو کہاں تک اور محبت نبھاؤں میں
 دو مجھ کو بد دعا کہ اسے بھول جاؤں میں
 دل تو جلا کیا ہے وہ شعلہ سا آدمی
 اب کس کو چھو کے ہاتھ بھی اپنا جلاؤں میں
 سنتا ہوں اب کسی سے وفا کر رہا ہے وہ
 اے زندگی خوشی سے کہیں مر نہ جاؤں میں
 اک شب بھی وصل کی نہ مرا ساتھ دے سکی
 عہد فراق آ کہ تجھے آزماؤں میں
 بدنام میرے قتل سے تنہا تو ہی نہ ہو
 لا اپنی مہر بھی سر محضر لگاؤں میں
 اترا ہے بام سے کوئی الہام کی طرح
 جی چاہتا ہے ساری زمیں کو سجاؤں میں
 اس جیسا نام رکھ کے اگر آئے موت بھی
 بنس کر اسے قَتیل گلے سے لگاؤں میں

راستے یاد نہیں راہنما یاد نہیں
 اب مجھے کچھ تری گلیوں کے سوا یاد نہیں
 پھر خیالوں میں وہ بیٹے ہوئے ساون آئے
 لیکن اب تجھ کو پیپے کی صدا یاد نہیں
 ایک وعدہ تھا جو شیشے کی طرح ٹوٹ گیا
 حادثہ کب یہ ہوا کیسے ہوا یاد نہیں
 ہم دیا کرتے تھے اغیار کو طعنہ جن کا
 اب تو ہم کو بھی وہ آداب وفا یاد نہیں
 وضع داری سے بے مجبور مرا پیار قتیل
 سب پرانے ہیں کوئی داغ نیا یاد نہیں
 بنا ہوں میں آج تیرا مہماں کوئی عدو کو خبر نہ کر دے
 اٹھا کے وہ تیری انجمن سے کہیں مجھے در بدر نہ کر دے
 یہ وصل کی رات ہے خدارا نقاب چہرے سے مت ہٹاؤ
 تمہارے چہرے کا یہ اجالا سحر سے پہلے سحر نہ کر دے
 قسم جسے ضبط غم کی دے کر اٹھا دیا اپنے در سے تو نے
 کہیں وہ دیوانہ عمر اپنی بغیر تیرے بسر نہ کر دے
 بڑے مزے سے میں پی رہا ہوں مری طرف تم ابھی نہ دیکھو
 مجھے یہ ڈر ہے نظر تمہاری شراب کو بے اثر نہ کر دے
 ستایا جس کو ہمیشہ تو نے سدا اکیلا جو چھپ کے رویا
 وہ دل جلا اپنے آنسوؤں سے تمہارا دامن بھی تر نہ کر دے
 قتیل یہ وصل کے زمانے حسین بھی ہیں طویل بھی ہیں
 مگر لگا ہے یہ دل کو دھڑکا انہیں کوئی مختصر نہ کر دے
 دل کو غم حیات گوارا ہے ان دنوں
 پہلے جو درد تھا وہی چارا ہے ان دنوں
 ہر سیل اشک ساحل تسکین ہے آج کل
 دریا کی موج موج کنارہ ہے ان دنوں
 یہ دل ذرا سا دل تری یادوں میں کھو گیا
 ذرے کو آندھیوں کا سہارا ہے ان دنوں
 شمعوں میں اب نہیں ہے وہ پہلی سی روشنی
 کیا واقعی وہ انجمن آرا ہے ان دنوں
 تم آسکو تو شب کو بڑھا دوں کچھ اور بھی
 اپنے کہے میں صبح کا تارا ہے ان دنوں
 ہاتھ دیا اس نے مرے ہاتھ میں
 میں تو ولی بن گیا اک رات میں
 عشق کرو گے تو کماؤ گے نام
 تہمتیں بٹتی نہیں خیرات میں
 عشق بری شے سہی پر دوستو
 دخل نہ دو تم مری ہر بات میں
 مجھ پہ توجہ ہے سب آفات کی
 کوئی کشش تو ہے مری ذات میں
 راہنما تھا مرا اک سامری
 کھو گیا میں شہر طلسمات میں
 مجھ کو لگا عام سا اک آدمی
 آیا وہ جب کام کے اوقات میں
 شام کی گل رنگ ہوا کیا چلی
 درد مہکنے لگا جذبات میں
 ہاتھ میں کاغذ کی لیے چھتریاں
 گھر سے نہ نکلا کرو برسات میں
 ربط بڑھایا نہ قتیل اس لیے
 فرق تھا دونوں کے خیالات میں

مری نظر سے نہ ہو دور ایک پل کے لیے
 ترا وجود ہے لازم مری غزل کے لیے
 کہاں سے ڈھونڈ کے لاؤں چراغ سا وہ بدن
 ترس گئی ہیں نگاہیں کنول کنول کے لیے
 کسی کسی کے نصیبوں میں عشق لکھا ہے
 ہر اک دماغ بھلا کب ہے اس خلل کے لیے
 ہوئی نہ جرات گفتار تو سبب یہ تھا
 ملے نہ لفظ ترے حسن سے بدل کے لیے
 سدا جیے یہ مرا شہر ہے مثال جہاں
 بزار جھونپڑے گرتے ہیں اک محل کے لیے
 قتیل زخم سہوں اور مسکراتا رہوں
 بنے ہیں دائرے کیا کیا مرے عمل کے لیے
 اے دیدہ گریاں کیا کہیے اس پیار بھرے افسانے کو
 اک شمع جلی بجھنے کے لیے اک پھول کھلا مرجھانے کو
 میں اپنے پیار کا دیپ لیے آفاق میں ہر سو گھوم گیا
 تم دور کہیں جا پہنچے تھے آکاش پہ جی بہلانے کو
 وہ پھول سے لمحے بھاری ہیں اب یاد کے نازک شانوں پر
 جو پیار سے تم نے سونپے تھے آغاز میں اک دیوانے کو
 اک ساتھ فنا ہو جانے سے اک جشن تو برپا ہوتا ہے
 یوں تنہا جلنا ٹھیک نہیں سمجھائے کوئی پروانے کو
 میں رات کا بھید تو کھولوں گا جب نیند نہ مجھ کو آنے گی
 کیوں چاند ستارے آتے ہیں ہر رات مجھے سمجھانے کو
 دل جلتا ہے شام سویرے
 ایک چراغ اور لاکھ اندھیرے
 بھگی پلکیں نیند سے خالی
 چین کے دشمن رین بسیرے
 لوگ سمجھتے ہیں سودائی
 پیار نے اپنے بھی دن پھیرے
 اپنا اپنا درد بے ورنہ
 کس کی گلیاں کیسے پھیرے
 ان کا وہ معصوم تبسم
 جیسے کوئی پھول بکھیرے
 اے غم دوراں اے غم جاناں
 دل ہے ایک ستم بہتیرے
 کیسے پہنچے نیند آنکھوں تک
 بیٹھا ہے دل رستہ گھیرے
 تو ہی بتا یہ درد ہے کیسا
 پلکیں میری آنسو تیرے
 اک جام کھنکنا جام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
 اک ہوش ربا انعام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
 وہ دیکھ ستاروں کے موتی ہر آن بکھرتے جاتے ہیں
 افلاک پہ بے کھرام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
 گو دیکھ چکا ہوں پہلے بھی نظارہ دریا نوشی کا
 ایک اور صلائے عام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
 یہ وقت نہیں ہے باتوں کا پلکوں کے سائے کام میں لا
 الہام کوئی الہام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
 مدبوشی میں احساس کے اونچے زینے سے گر جانے دے
 اس وقت نہ مجھ کو تھام کہ ساقی رات گزرنے والی ہے
 رابطہ لاکھ سہی قافلہ سالار کے ساتھ
 ہم کو چلنا ہے مگر وقت کی رفتار کے ساتھ

غم لگے رہتے ہیں ہر آن خوشی کے پیچھے
 دشمنی دھوپ کی ہے سایہ دیوار کے ساتھ
 کس طرح اپنی محبت کی میں تکمیل کروں
 غم ہستی بھی تو شامل ہے غم یار کے ساتھ
 لفظ چنتا ہوں تو مفہوم بدل جاتا ہے
 اک نہ اک خوف بھی ہے جرات اظہار کے ساتھ
 دشمنی مجھ سے کئے جا مگر اپنا بن کر
 جان لے لے مری صیاد مگر پیار کے ساتھ
 دو گھڑی اؤ مل آئیں کسی غالب سے قتیل
 حضرت ذوق تو وابستہ ہیں دربار کے ساتھ
 سسکیاں لیتی ہوئی غمگیں ہواؤ چپ رہو
 سو رہے ہیں درد ان کو مت جگاؤ چپ رہو
 رات کا پتھر نہ پگھلے گا شعاعوں کے بغیر
 صبح ہونے تک نہ بولو ہم نواؤ چپ رہو
 بند ہیں سب مے کدے ساقی بنے ہیں محتسب
 اے گرجتی گونجتی کالی گھٹاؤ چپ رہو
 تم کو ہے معلوم آخر کون سا موسم ہے یہ
 فصل گل آنے تلک اے خوش نواؤ چپ رہو
 سوچ کی دیوار سے لگ کر ہیں غم بیٹھے ہوئے
 دل میں بھی نغمہ نہ کوئی گنگناؤ چپ رہو
 چھٹ گئے حالات کے بادل تو دیکھا جائے گا
 وقت سے پہلے اندھیرے میں نہ جاؤ چپ رہو
 دیکھ لینا گھر سے نکلے گا نہ ہم سایہ کوئی
 اے مرے یارو مرے درد آشناؤ چپ رہو
 کیوں شریک غم بناتے ہو کسی کو اے قتیل
 اپنی سولی اپنے کاندھے پر اٹھاؤ چپ رہو
 اب تو بیداد پہ بیداد کرے گی دنیا
 ہم نہ ہوں گے تو ہمیں یاد کرے گی دنیا
 زندگی بھاگ چلی موت کے دروازے سے
 اب قفس کون سا ایجاد کرے گی دنیا
 ہم تو حاضر ہیں پر اے سلسلہ جوہر قدیم
 ختم کب ورنہ اجداد کرے گی دنیا
 سامنے آئیں گے اپنی ہی وفا کے پہلو
 جب کسی اور کو برباد کرے گی دنیا
 کیا ہوئے ہم کہ نہ تھے مرگ بشر کے فائل
 لوگ پوچھیں گے تو فریاد کرے گی دنیا
 تڑپتی ہیں تمنائیں کسی آرام سے پہلے
 لٹا ہوگا نہ یوں کوئی دل ناکام سے پہلے
 یہ عالم دیکھ کر تو نے بھی آنکھیں پھیر لیں ورنہ
 کوئی گردش نہیں تھی گردش ایام سے پہلے
 گرا ہے ٹوٹ کر شاید مری تقدیر کا تارا
 کوئی آواز آئی تھی شکست جام سے پہلے
 کوئی کیسے کرے دل میں چھپے طوفان کا اندازہ
 سکوت مرگ چھایا ہے کسی کھرام سے پہلے
 نہ جانے کیوں ہمیں اس دم تمہاری یاد آتی ہے
 جب آنکھوں میں چمکتے ہیں ستارے شام سے پہلے
 سنے گا جب زمانہ میری بربادی کے افسانے
 تمہارا نام بھی آئے گا میرے نام سے پہلے
 ذکر مرا اور تیرے لب پر یاد مری اور تیرے دل میں
 جھوٹی اُس دلانے والے آگ نہ بھڑکا میرے دل میں

مجھ سے آنکھیں پھیر کے تو نے یہ مشکل بھی آساں کر دی
 ورنہ تیرے غم کے بدلے لیتا کون بسیرے دل میں
 پیار بھری امیدوں پر اغیار کی وہ زر پوش نگاہیں
 کانٹوں کے پیوند لگا کر تو نے پھول بکھیرے دل میں
 پوچھ رہی ہے دنیا مجھ سے وہ ہرجائی چاند کہاں ہے
 دل کہتا ہے غیر کے بس میں میں کہتا ہوں میرے دل میں
 کاش کبھی سفاک زمانہ میرا سینہ چیر کے دیکھے
 چین کے بدلے درد نے اب تو ڈال دیئے ہیں ڈیرے دل میں
 ڈرتے ڈرتے سوچ رہا ہوں وہ میرے ہیں اب بھی شاید
 ورنہ کون کیا کرتا ہے یوں پھیروں پر پھیرے دل میں
 پیار کی پہلی منزل پر انجان مسافر دیکھ رہا ہے
 آنکھوں میں سنگین اجالے اور سیال اندھیرے دل میں
 اجڑی یادو ٹوٹے سپنو شاید کچھ معلوم ہو تم کو
 کون اٹھاتا ہے رہ رہ کر ٹیسیں شام سویرے دل میں
 پیار کی راہ میں ایسے بھی مقام آتے ہیں
 صرف آنسو جہاں انسان کے کام آتے ہیں
 ان کی آنکھوں سے رکھے کیا کوئی امید کرم
 پیاس مٹ جائے تو گردش میں وہ جام آتے ہیں
 زندگی بن کے وہ چلتے ہیں مری سانس کے ساتھ
 ان کو ایسے کئی انداز خرام آتے ہیں
 ہم نہ چاہیں تو کبھی شام کے سائے نہ ڈھلیں
 ہم تڑپتے ہیں تو صبحوں کے سلام آتے ہیں
 ہم پہ ہو جائیں نہ کچھ اور بھی راتیں بھاری
 یاد اکثر وہ ہمیں اب سر شام آتے ہیں
 چھن گئے ہم سے جو حالات کی رابوں میں قتیل
 ان حسینوں کے ہمیں اب بھی پیام آتے ہیں
 ہو چکا انتظار سونے دے
 اے دل بے قرار سونے دے
 مٹ گئیں رونقیں چراغوں کی
 لٹ گئے رہ گزار سونے دے
 آہٹوں کے فریب میں مت آ
 ان کا کیا اعتبار سونے دے
 پی لئے آنسوؤں کے جام بہت
 ٹوٹتا ہے خمار سونے دے
 تو نے دیکھی تو ہوگی شام خزاں
 اے مریض بہار سونے دے
 اونگھتا ہے اداس پیڑوں پر
 چاندنی کا غبار سونے دے
 آخر شب نہ کوئی آنے گا
 میرے شب زندہ دار سونے دے
 دور اس پار دیکھتا کیا ہے
 واقف خوئے یار سونے دے
 بن گئے ہیں ہمارے سینے میں
 حسرتوں کے مزار سونے دے
 اس پر تمہارے پیار کا الزام بھی تو ہے
 اچھا سہی قتیل پہ بدنام بھی تو ہے
 آنکھیں ہر اک حسین کی بے فیض تو نہیں
 کچھ ساگروں میں بادۂ گلفام بھی تو ہے
 پلکوں پہ اب نہیں ہے وہ پہلا سا بار غم
 رونے کے بعد کچھ ہمیں آرام بھی تو ہے

آخر بری بے کیا دل ناکام کی خلش
 ساتھ اس کے ایک لذت بے نام بھی تو بے
 کر تو لیا بے قصد عبادت کی رات کا
 رستے میں جھومتی ہوئی اک شام بھی تو بے
 ہم جانتے ہیں جس کو کسی اور نام سے
 اک نام اس کا گردشِ ایام بھی تو بے
 اے تشنہ کام شوق اسے آزما کے دیکھ
 وہ آنکھ صرف آنکھ نہیں جام بھی تو بے
 منکر نہیں کوئی بھی وفا کا مگر قتیل
 دنیا کے سامنے مرا انجام بھی تو بے
 شرمندہ انہیں اور بھی اے میرے خدا کر
 دستار جنہیں دی ہے انہیں سر بھی عطا کر
 لوٹا بے سدا جس نے ہمیں دوست بنا کر
 ہم خوش ہیں اسی شخص سے پھر ہاتھ ملا کر
 ڈر بے کہ نہ لے جائے وہ ہم کو بھی چرا کر
 ہم لائے ہیں گھر میں جسے مہمان بنا کر
 اک موج دیے پاؤں تعاقب میں چلی آئی
 ہم خوش تھے بہت ریت کی دیوار بنا کر
 ہم چاہیں کہ مل جائیں ہمیں ڈھیر سے موتی
 سیڑھی کسی پر بول سمندر میں لگا کر
 درکار اجالا ہے مگر سہمے ہوئے ہیں
 کر دے نہ اندھیرا کوئی بارود جلا کر
 لے اس نے ترا کاسہ جاں توڑ ہی ڈالا
 جا کوچہ قاتل میں قتیل اور صدا کر
 کیا اس کا گلا کیجے اسے پیار ہی کب تھا
 وہ عہد فراموش وفادار ہی کب تھا
 اس نے تو سدا پوجے ہیں اڑتے ہوئے جگنو
 وہ چاند ستاروں کا پرستار ہی کب تھا
 ہم ڈوب گئے جاگتی راتوں کے بہنور میں
 ہاتھ اس کا ہمارے لیے پتوار ہی کب تھا
 آموں کی حسیں رت کے سوا بھی تو وہ کوکے
 لیکن کسی کوئل کا یہ کردار ہی کب تھا
 آواز جو میں دوں تو کسی اور کو چھو لے
 اس آنکھ مچولی سے وہ بیزار ہی کب تھا
 تم اس کو برے نام سے یارو نہ پکارو
 یہ نام اسے باعثِ آزار ہی کب تھا
 مشہور زمانہ ہیں قتیل اس کی اڑانیں
 وہ دام محبت میں گرفتار ہی کب تھا
 ہر بے زباں کو شعلہ نوا کہہ لیا کرو
 یارو سکوت ہی کو صدا کہہ لیا کرو
 خود کو فریب دو کہ نہ ہو تلخ زندگی
 ہر سنگ دل کو جان وفا کہہ لیا کرو
 گر چاہتے ہو خوش رہیں کچھ بندگان خاص
 جتنے صنم ہیں ان کو خدا کہہ لیا کرو
 یارو یہ دور ضعف بصارت کا دور ہے
 آندھی اٹھے تو اس کو گھٹا کہہ لیا کرو
 انسان کا اگر قد و قامت نہ بڑھ سکے
 تم اس کو نقص آب و ہوا کہہ لیا کرو
 اپنے لیے اب ایک ہی راہ نجات ہے
 ہر ظلم کو رضائے خدا کہہ لیا کرو

لے دے کے اب یہی ہے نشان ضیا قتیل
 جب دل جلے تو اس کو دیا کہہ لیا کرو
 تتلیوں کا رنگ ہو یا جھومتے بادل کا رنگ
 ہم نے ہر اک رنگ کو جانا ترے آنچل کا رنگ
 تیری آنکھوں کی چمک ہے یا ستاروں کی ضیا
 رات کا ہے گھپ اندھیرا یا ترے کاجل کا رنگ
 دھڑکنوں کے تال پر وہ حال اپنے دل کا ہے
 جیسے گوری کے تھرکتے پاؤں میں پائل کا رنگ
 پھینکا تم سوچ کر لفظوں کا یہ کڑوا گلال
 پھیل جاتا ہے کبھی صدیوں پہ بھی اک پل کا رنگ
 آہ یہ رنگین موسم خون کی برسات کا
 چھا رہا ہے عقل پر جذبات کی بلچل کا رنگ
 اب تو شبیم کا ہر اک موتی ہے کنکر کی طرح
 ہاں اسی گلشن پہ چھایا تھا کبھی مخمل کا رنگ
 پھر رہے ہیں لوگ ہاتھوں میں لیے خنجر کھلے
 کوچے کوچے میں اب آتا ہے نظر مقتل کا رنگ
 چار جانب جس کی رعنائی کے چرچے ہیں قتیل
 جانے کب دیکھیں گے ہم اس آنے والی کل کا رنگ
 نگاہوں میں چمک دل میں خوشی محسوس کرتا ہوں
 کہ تیرے بس میں اپنی زندگی محسوس کرتا ہوں
 تھکا دیتی ہیں جب کونین کی پہنائیاں مجھ کو
 ترے در پر پہنچ کر تازگی محسوس کرتا ہوں
 ہم مجبوری مقدر کے افق سے جھانکنے والے
 تری آنکھوں میں اک شرمندگی محسوس کرتا ہوں
 جوانی کو سزائے لذت احساس دے دینا
 میں اس حد پر خدا کو آدمی محسوس کرتا ہوں
 شب آخر فلک پر ٹٹما کر ڈوبتے تارے
 میں اپنے ساتھ تیرا درد بھی محسوس کرتا ہوں
 منظر سمیٹ لائے ہیں جو تیرے گاؤں کے
 نیندیں چرا رہے ہیں وہ جھونکے ہواؤں کے
 تیری گلی سے چاند زیادہ حسیں نہیں
 کہتے سنے گئے ہیں مسافر خلاؤں کے
 پل بھر کو تیری یاد میں دھڑکا تھا دل مرا
 اب دور تک بھنور سے پڑے ہیں صداؤں کے
 داد سفر ملی ہے کسے راہ شوق میں
 ہم نے مٹا دیے ہیں نشان اپنے پاؤں کے
 جب تک نہ کوئی اُس تھی یہ پیاس بھی نہ تھی
 بے چین کر گئے ہمیں سائے گھٹاؤں کے
 ہم نے لیا ہے جب بھی کسی راہزن کا نام
 چہرے اتر اتر گئے کچھ رہنماؤں کے
 اگلے گا آفتاب کچھ ایسی بلا کی دھوپ
 رہ جائیں گے زمین پہ کچھ داغ چھاؤں کے
 جو بھی غنچہ ترے بوٹیوں پہ کھلا کرتا ہے
 وہ تری تنگی داماں کا گلا کرتا ہے
 دیر سے آج مرا سر ہے ترے زانو پر
 یہ وہ رتبہ ہے جو شاہوں کو ملا کرتا ہے
 میں تو بیٹھا ہوں دبائے ہوئے طوفانوں کو
 تو مرے دل کے دھڑکنے کا گلا کرتا ہے
 رات یوں چاند کو دیکھا ہے ندی میں رقصاں
 جیسے جھومر ترے ماتھے پہ بلا کرتا ہے

جب مری سیج پہ ہوتا ہے بہاروں کا نزول
 صرف اک پھول کواڑوں میں کھلا کرتا ہے
 کون کافر تجھے الزام تغافل دے گا
 جو بھی کرتا ہے محبت سے گلا کرتا ہے
 لوگ کہتے ہیں جسے نیل کنول وہ تو قتیل
 شب کو ان جھیل سی آنکھوں میں کھلا کرتا ہے
 لکھ دیا اپنے در پہ کسی نے اس جگہ پیار کرنا منع ہے
 پیار اگر ہو بھی جائے کسی کو اس کا اظہار کرنا منع ہے
 ان کی محفل میں جب کوئی جائے پہلے نظریں وہ اپنی جھکائے
 وہ صنم جو خدا بن گئے ہیں ان کا دیدار کرنا منع ہے
 جاگ اٹھے تو آبیں بھریں گے حسن والوں کو رسوا کریں گے
 سو گئے ہیں جو فرقت کے مارے ان کو بیدار کرنا منع ہے
 ہم نے کی عرض اے بندہ پرور کیوں ستم ڈھا رہے ہو یوں ہم پر
 بات سن کر ہماری وہ بولے ہم سے تکرار کرنا منع ہے
 سامنے جو کھلا ہے جھروکہ کھا نہ جانا قتیل ان کا دھوکا
 اب بھی اپنے لیے اس گلی میں شوق دیدار کرنا منع ہے
 کیا عشق تھا جو باعث رسوائی بن گیا
 یارو تمام شہر تماشائی بن گیا
 بن مانگے مل گئے مری آنکھوں کو رت جگے
 میں جب سے ایک چاند کا شیدائی بن گیا
 دیکھا جو اس کا دست حنائی قریب سے
 احساس گونجتی ہوئی شہنائی بن گیا
 برہم ہوا تھا میری کسی بات پر کوئی
 وہ حادثہ ہی وجہ شناسائی بن گیا
 پایا نہ جب کسی میں بھی آوارگی کا شوق
 صحرا سمٹ کے گوشہ تنہائی بن گیا
 تھا بے قرار وہ مرے آنے سے پیشتر
 دیکھا مجھے تو پیکر دانائی بن گیا
 کرتا رہا جو روز مجھے اس سے بدگماں
 وہ شخص بھی اب اس کا تمنائی بن گیا
 وہ تیری بھی تو پہلی محبت نہ تھی قتیل
 پھر کیا ہوا اگر کوئی برجائی بن گیا
 منزل جو میں نے پائی تو ششدر بھی ہی تھا
 وہ اس لیے کہ راہ کا پتھر بھی میں ہی تھا
 شک ہو چلا تھا مجھ کو خود اپنی ہی ذات پر
 جھانکا تو اپنے خول کے اندر بھی میں ہی تھا
 ہوں گے مرے وجود کے سائے الگ الگ
 ورنہ برون در بھی پس در بھی میں ہی تھا
 پوچھ اس سے جو روانہ ہوئے کاٹ کر مجھے
 راہ وفا میں شاخ صنوبر بھی میں ہی تھا
 آسودہ جس قدر وہ ہوا مجھ کو اوڑھ کر
 کل رات اس کے جسم کی چادر بھی میں ہی تھا
 مجھ کو ڈرا رہی تھی زمانے کی ہم سری
 دیکھا تو اپنے قد کے برابر بھی میں ہی تھا
 اٹینہ دیکھنے پہ جو نادم ہوا قتیل
 ملک ضمیر کا وہ سکندر بھی میں ہی تھا
 حالات کی بھیگی رات بھی بے جذبات کا تیز الاؤ بھی
 میں کون سی آگ میں جل جاؤں اے نکتہ ورو سمجھاؤ بھی
 ہر چند نظر نے جھیلے ہیں ہر بار سنہرے گھاؤ بھی
 ہم آج بھی دھوکہ کھا لیں گے تم بھیس بدل کر آؤ بھی

گرداب کے خونیں حلقوں سے جب کھیل چکی ہے ناؤ بھی
 پتوار بدلنا کیا معنی؟ ملاحوں کو سمجھاؤ بھی
 بے کیف جھکولے کانٹوں کو شاداب تو کیا کر پائیں گے
 جو پھول پڑے ہیں راہوں میں ان پھولوں کو مہکاؤ بھی
 ہم سے تو جفاؤں کے شکوے تم بنس کر چھین بھی سکتے ہو
 ہم دل کو پشیمان کر لیں گے تم پیار سے اُنکھ جھکاؤ بھی
 گل رنگ چراغوں کی لو سے تاریک اجالے پھوٹ رہے
 ہر طاق میں گھور اندھیرا ہے اس رنگ محل کو ڈھاؤ بھی
 شاید مرے بدن کی رسوائی چاہتا ہے
 دروازہ میرے گھر کا بینائی چاہتا ہے
 اوقات ضبط اس کو اے چشم تر بتا دے
 یہ دل سمندروں کی گہرائی چاہتا ہے
 شہروں میں وہ گھٹن ہے اس دور میں کہ انسان
 گمنام جنگلوں کی پروائی چاہتا ہے
 کچھ زلزلے سمو کر زنجیر کی کھنک میں
 اک رقص والہانہ سودائی چاہتا ہے
 کچھ اس لیے بھی اپنے چرچے ہیں شہر بھر میں
 اک پارسا ہماری رسوائی چاہتا ہے
 ہر شخص کی جیبیں پر کرتے ہیں رقص تارے
 ہر شخص زندگی کی رعنائی چاہتا ہے
 اب چھوڑ ساتھ میرا اے یاد نوجوانی
 اس عمر کا مسافر تنہائی چاہتا ہے
 میں جب قتیلؔ اپنا سب کچھ لٹا چکا ہوں
 اب میرا پیار مجھ سے دانائی چاہتا ہے
 تنہم میں جو رہ گئے وہ صدف بھی نکالنے
 طغیانوں کا ہاتھ سمندر میں ڈالنے
 اپنی حدوں میں رہنے کہ رہ جائے آبرو
 اوپر جو دیکھنا ہے تو پگڑی سنبھالنے
 خوشبو تو مدتوں کی زمیں دوز ہو چکی
 اب صرف پتیوں کو ہوا میں اچھالنے
 صدیوں کا فرق پڑتا ہے لمحوں کے پھیر میں
 جو غم ہے آج کا اسے کل پر نہ ٹالنے
 آیا ہی تھا ابھی مرے لب پہ وفا کا نام
 کچھ دوستوں نے ہاتھ میں پتھر اٹھا لیے
 کہہ دو صلیب شب سے کہ اپنی منائے خیر
 ہم نے تو پھر چراغ سروں کے جلا لیے
 دنیا کی نفرتیں مجھے قلاش کر گئیں
 اک پیار کی نظر مرے کاسے میں ڈالنے
 محسوس ہو رہا ہے کچھ ایسا مجھے قتیلؔ
 نیندوں نے جیسے آج کی شب پر لگا لیے
 نگاہوں میں خمار آتا ہوا محسوس ہوتا ہے
 تصور جام چھلکاتا ہوا محسوس ہوتا ہے
 خرام ناز اور ان کا خرام ناز کیا کہنا
 زمانہ ٹھوکریں کھاتا ہوا محسوس ہوتا ہے
 تصور ایک ذہنی جستجو کا نام ہے شاید
 دل ان کو ڈھونڈ کر لاتا ہوا محسوس ہوتا ہے
 کسی کی نقرنی پازیب کی جھنکار کے صدقے
 مجھے سارا جہاں گاتا ہوا محسوس ہوتا ہے
 قتیلؔ اب دل کی دھڑکن بن گئی ہے چاپ قدموں کی
 کوئی میری طرف آتا ہوا محسوس ہوتا ہے

فسر دگی کا مداوا کریں تو کیسے کریں
 وہ لوگ جو ترے قرب جمال سے بھی ڈریں
 اک ایسی راہ پہ ڈالا ہے تیرے غم نے کہ ہم
 کسی بھی شکل کو دیکھیں تو رک کے آہ بھریں
 یہ کیا کہ ہے سبب آئے قضا جوانی میں
 یہ کیوں نہ ہو کہ تمہاری کسی ادا پہ مریں
 شب الم کے بھی بوتے ہیں کچھ نہ کچھ آداب
 تڑپنے والے سحر تک تو انتظار کریں
 اس ایک بات کے بعد اب بزار بات کرو
 یہ دل کے زخم ہیں یارو بھریں بھریں نہ بھریں
 ثبوت عشق کی یہ بھی تو ایک صورت ہے
 کہ جس سے پیار کریں اس پہ تہمتیں بھی دھریں
 کچھ ایسے دوست بھی میری نگاہ میں ہیں قتیل
 کہ مجھ کو باز رکھیں جس سے خود اسی پہ مریں
 گھنگھور گھٹا کے انچل کو جب کالی رات نچوڑ گئی
 اک تنہائی کو چین ملا اک تنہائی دم توڑ گئی
 اے وقت کے اندھے رکھوالو یہ راز تو ہم بھی جانتے ہیں
 بے وجہ تمہاری آنکھوں سے کیوں بینائی منہ موڑ گئی
 اک وہ بھی سفینہ تھا اپنا جو ساحل ساحل گھوم گیا
 اک یہ بھی ہماری کشتی ہے جو لہروں میں سر پھوڑ گئی
 ہر چند نظر نے تاروں پر شیخون تو مارا ہے لیکن
 یہ رات سحر کے دامن پر کچھ داغ لہو کے چھوڑ گئی
 انسان کا روشن مستقبل جس وقت چراغ راہ بنا
 ہر منزل اپنے قدموں سے تاریخ کا ناطہ جوڑ گئی
 سکون دل تو کہاں راحت نظر بھی نہیں
 یہ کیسی بزم ہے جس میں ترا گزر بھی نہیں
 بھٹک رہا ہے زمانہ گھنے اندھیرے میں
 وہ رات ہے جسے اندیشہ سحر بھی نہیں
 نہ جانے کون سی منزل کو لے چلے ہم کو
 وہ ہم سفر جو حقیقت میں ہم سفر بھی نہیں
 تری نگاہ کا دل کو یقیں سا ہے ورنہ
 سنی ہے بات کچھ ایسی کہ معتبر بھی نہیں
 گنگناتی سی کوئی رات بھی آ جاتی ہے
 آپ آتے ہیں تو برسات بھی آ جاتی ہے
 ہم کو ہر چند گوارا نہیں آنسو لیکن
 اپنی جھولی میں یہ خیرات بھی آ جاتی ہے
 آرزوؤں کے جنازے ہی نہیں پلکوں پر
 بجلیوں کی کبھی بارات بھی آ جاتی ہے
 گردش جام سے ہٹ کر بھی تری آنکھوں سے
 وجد میں گردش حالات بھی آ جاتی ہے
 وہ فسانے جو مرے نام سے منسوب ہوئے
 ان فسانوں میں تری بات بھی آ جاتی ہے
 بار کیوں گریزاں ہے سیدھی راہ چلنے سے
 منزلیں نہیں ملتیں راستے بدلنے سے
 جو بھی رنگ ہے تیرا بس وہی غنیمت ہے
 چہرے کب نکھرتے ہیں منہ پہ خاک ملنے سے
 تیز دھوپ میں آئی ایسی لہر سردی کی
 موم کا ہر اک پتلا بچ گیا پگھلنے سے
 بن گئے ثبوت آخر آپ اپنے جرموں کا
 ہاتھ جو معطر تھے پھول کو مسلانے سے

کر سکا بے گدلا کون روشنی کے چشمے کو
 چاند بجھ نہیں جاتا اندھیوں کے چلنے سے
 سو کے تو گنوا بیٹھا رتجگوں کی رعنائی
 اب قتیل کیا حاصل تیرے ہاتھ ملنے سے
 اتنے اونچے مرتبے تک تجھ کو پہنچائے گا کون
 میں ہوا منکر تو پھر تیری قسم کھائے گا کون
 تیرے رستے میں کھڑی تھیں کون سی مجبوریاں
 میں سمجھ لوں گا مگر دنیا کو سمجھائے گا کون
 مل رہی ہے جب ہمیں اک راحت آوارگی
 لوٹ کر اس انجمن سے اپنے گھر جائے گا کون
 میری معزولی کی سننا چاہتے ہیں سب خبر
 سوچتا ہوں جانشین بن کر مرا آئے گا کون
 چاہتا ہوں ایک چنگاری میں اس چقماق سے
 لیکن اس پتھر سے آخر مجھ کو ٹکرائے گا کون
 نیک لوگوں کے لیے موجود ہو تم اے خضر
 میں اگر بھٹکا تو مجھ کو راہ پر لائے گا کون
 اس کے وعدوں میں قتیل اک حسن اک رعنائی ہے
 وہ نہ ہوگا جب تو اس سا مجھ کو بہلائے گا کون
 فراز ہے خودی سے تیرا تشنہ لب نہیں اترتا
 ابھی تک اس کی آنکھوں سے خمار شب نہیں اترتا
 ذرا میں سوچ لوں کیا کام اس کو آ پڑا مجھ سے
 کبھی وہ بام تنہائی سے بے مطلب نہیں اترتا
 مری پرسش کو آ پہنچا حسیں بندہ کوئی ورنہ
 فلک سے آج تک میری مدد کو رب نہیں اترتا
 ستارا سا نظر آتا ہے اوپر سے جہاں پانی
 میں خوش فہمی کے اس گہرے کنویں میں کب نہیں اترتا
 پشیمانی کے بعد اس کو گراؤں کیسے نظروں سے
 کم جب وہ بے وفا تھا میرے دل سے تب نہیں اترتا
 کبھی سرتاج مجھ سے تاج کو سہواً کہا اس نے
 ابھی تک میرے سر سے نشہ منصب نہیں اترتا
 تمنا ہے کہ چھیڑوں نغمہ انسانیت لیکن
 قتیل اب تک مرے اعصاب سے مذہب نہیں اترتا
 جو بیت گئی اس کی خبر ہے کہ نہیں ہے
 دیکھو مرے تن پر مرا سر ہے کہ نہیں ہے
 اس شہر ندامت سے جو آئے ہیں پلٹ کر
 در پیش نیا ان کو سفر ہے کہ نہیں ہے
 یاروں کو بہت پیار ہے زندان وفا سے
 لیکن کسی دیوار میں در ہے کہ نہیں ہے
 ملتی ہو ضیا جس کو چراغوں کی لوؤں سے
 اس شہر میں ایسا کوئی گھر ہے کہ نہیں ہے
 چہرے پہ سجا لایا ہوں میں دل کی صدائیں
 دنیا میں کوئی اہل نظر ہے کہ نہیں ہے
 سورج کی گزر گاہ بنے شاخ نہ جس کی
 ایسا کوئی رستے میں شجر ہے کہ نہیں ہے
 برسات میں کوئل سی جہاں کوک رہی تھی
 آباد وہ خوابوں کا نگر ہے کہ نہیں ہے
 ٹوٹی ہوئی مسجد میں کھڑا دیکھ رہا ہوں
 محفوظ شوالے کا گجر ہے کہ نہیں ہے
 کیوں تیرا گریباں ہے قتیل اب بھی سلامت
 کچھ تجھ پہ نئی رت کا اثر ہے کہ نہیں ہے

کہوں کیا فسانہ غم اسے کون مانتا ہے
 جو گزر رہی ہے مجھ پر مرا دل ہی جانتا ہے
 تو صبا کا ہے وہ جھونکا جو گزر گیا چمن سے
 نہ وہ رونقیں ہیں باقی نہ کہیں سہانتا ہے
 اسے میں نصیب جانوں کی بشر کی خود فریبی
 کوئی بھر رہا ہے دامن کوئی خاک چھانتا ہے
 ترا یوں خیال آیا مجھے غم کی دوپہر میں
 کوئی جیسے اپنا آنچل مرے سر پہ تانتا ہے
 میں نظام زر کی دیوی سے قتیل آشنا ہوں
 کہیں نام اس کا سلمیٰ کہیں چندرکانتا ہے
 زیست کی گرمی بیدار بھی لایا سورج
 کھل گئی آنکھ مری سر پہ جو آیا سورج
 پھر شعاعوں نے مرے جسم پہ دستک دی ہے
 پھر جگانے مرے احساس کو آیا سورج
 کسی دلہن کے جھمکنے ہوئے جھومر کی طرح
 رات نے صبح کے ماتھے پر سجایا سورج
 شام کو روٹھ گیا تھا مجھے تڑپانے کو
 صبح دم آپ مجھے ڈھونڈنے آیا سورج
 کم نہ تھا اس کا یہ احسان کہ جاتے جاتے
 کر گیا اور بھی لمبا مرا سایہ سورج
 ڈالتے اس پہ کمندیں وہ کوئی چاند نہ تھا
 سو جتن سب نے کئے ہاتھ نہ آیا سورج
 خوب واقف تھا وہ انسان کے اندھے پن سے
 جس نے بھی دن کے اجالے میں جلایا سورج
 لوگ کہتے رہے سورج کو دکھائیں گے چراغ
 اور ہی رنگ تھا جب سامنے آیا سورج
 شب کو بھی روح کے انگن میں رہی دھوپ قتیل
 چاند تاروں نے بھی اکر نہ بجھایا سورج
 پریت پریت گھوم چکا ہوں صحرا صحرا چھان رہا ہوں
 بر منزل کے حق میں لیکن کافر کا ایمان رہا ہوں
 تیرے در پر عمر کٹی ہے پھر بھی کیا انجان رہا ہوں
 دنیا بھر کے سجدوں میں اپنے سجدے پہچان رہا ہوں
 دور سنہرے گنبد چمکے لیکن گردن کون جھکانے
 میں تو جنت بھی کھو کر آزاد منش انسان رہا ہوں
 دیکھ مری انمول شرافت لٹ بھی گیا شرمندہ بھی ہوں
 جیت بھی لی اخلاص کی بازی بار بھی اپنی مان رہا ہوں
 نہ کوئی خواب ہمارے ہیں نہ تعبیریں ہیں
 ہم تو پانی پہ بنائی ہوئی تصویریں ہیں
 کیا خبر کب کسی انسان پہ چھت آن گرے
 قریہ سنگ ہے اور کانچ کی تعمیریں ہیں
 لٹ گئے مفت میں دونوں، تری دولت مرا دل
 اے سخی تیری مری ایک سی تقدیریں ہیں
 ہم جو نا خواندہ نہیں ہیں تو چلو او پڑھیں
 وہ جو دیوار پہ لکھی ہوئی تحریریں ہیں
 ہو نہ ہو یہ کوئی سچ بولنے والا ہے قتیل
 جس کے ہاتھوں میں قلم پاؤں میں زنجیریں ہیں
 نئے اک شہر کو صبح سفر کیا لے چلی مجھ کو
 صدائیں دے رہی ہے ایک چھوٹی سی گلی مجھ کو
 میں اپنی عمر بھر کا چین جب اس در پہ چھوڑ آیا
 ملی ہے تب کہیں جا کر ذرا سی بے کلی مجھ کو

میں قطرے گن کے انسانوں کی تقدیریں بناتا ہوں
 ذرا سی تشنہ کامی نے بنا ڈالا ولی مجھ کو
 میں وہ گلشن گزیدہ ہوں کہ تنہائی کے موسم میں
 نہیں بوتے اگر کانٹے تو ڈستی بے کلی مجھ کو
 محبت تھی اسے لیکن مرا افلاس جب دیکھا
 پریشاں سی نظر آئی وہ نازوں کی پلی مجھ کو
 قتیل آباد جب گھر تھا تو کیوں مجھ پر کہیں غزلیں
 یہ طعنہ جاتے جاتے دے گئی اک دل جلی مجھ کو
 جانچ پرکھ کر دیکھ چکی تو ہر منہ بولے بھائی کو
 کہنے دے اب کوئی سچی بات قتیل شغافی کو
 کر دیا بالکل اپنے جیسا مجھ کو اندھے کیوڈ نے
 اپنی شہرت جان رہا ہوں میں اپنی رسوائی کو
 شہرت چاہے کیسی بھی ہو لوگ توجہ دیتے ہیں
 لاکھ حسیں ملتے ہیں اب تک مجھ جیسے برجائی کو
 گہرائی کیوں بیٹھی ہے اب غم خواروں کے نرغے میں
 لے آئی ہے محفل میں جب تو اپنی تنہائی کو
 سب کو سنائے قصے تو نے جس کی دھوکہ بازی کے
 اس جیسا ہی پائے گی تو اپنے ہر شیدائی کو
 سب سے ہنس کر ملنے والی کس نے تجھ کو سمجھا ہے
 ناپ رہے ہیں مفت میں لوگ سمندر کی گہرائی کو
 پاگل پن تو دیکھو جس دن ڈولی اٹھنے والی تھی
 اپنے ہاتھ سے توڑ دیا اک دلہن نے شہنائی کو
 کیوں اوروں کے نام سے چھوٹا ہے اپنے شعر قتیل
 یوں برباد کیا نہیں کرتے اپنی نیک کمائی کو
 رنگ جدا اینگ جدا مہکار جدا
 پہلے سے اب لگتا ہے گلزار جدا
 نغموں کی تخلیق کا موسم بیت گیا
 ٹوٹا ساز تو ہو گیا تار سے تار جدا
 بے زاری سے اپنا اپنا جام لیے
 بیٹھا ہے محفل میں ہر مے خوار جدا
 ملا تھا پہلے دروازے سے دروازہ
 لیکن اب دیوار سے بے دیوار جدا
 یارو میں تو نکلا ہوں جاں بیچنے کو
 تم کوئی اب سوچو کاروبار جدا
 سوچتا ہے اک شاعر بھی اک تاجر بھی
 لیکن سب کی سوچ کا بے معیار جدا
 کیا لینا اس گرگٹ جیسی دنیا سے
 آنے رنگ نظر جس کا ہر بار جدا
 اپنا تو بے ظاہر و باطن ایک مگر
 یاروں کی گفتار جدا کردار جدا
 مل جاتا ہے موقعہ خونی لہروں کو
 ہاتھوں سے جب بوتے ہیں پتوار جدا
 کس نے دیا بے سدا کسی کا ساتھ قتیل
 ہو جانا بے سب کو آخر کار جدا
 کیا جانے کس خمار میں کس جوش میں گرا
 وہ پھل شجر سے جو مری آغوش میں گرا
 کچھ دائرے سے بن گئے سطح خیال پر
 جب کوئی پھول ساغر مے نوش میں گرا
 باقی رہی نہ پھر وہ سنہری لکیر بھی
 تارا جو ٹوٹ کر شب خاموش میں گرا

اڑتا رہا تو چاند سے یارا نہ تھا مرا
 گھائل ہوا تو وادی گل پوش میں گرا
 بے آبرو نہ تھی کوئی لغزش مری قتیل
 میں جب گرا جہاں بھی گرا پوش میں گرا
 اس دور میں توفیق انا دی گئی مجھ کو
 کس جرم کی آخر یہ سزا دی گئی مجھ کو
 میں نے جو کیا فصل بہاراں کا تقاضا
 اک پھول کی تصویر دکھا دی گئی مجھ کو
 یہ کون مرے نام کو دہرا سا رہا ہے
 شاید کسی گنبد میں صدا دی گئی مجھ کو
 وہ ان کا ملانا مجھے اک صاحب زر سے
 اوقات مری یاد دلا دی گئی مجھ کو
 پہلے تو نوازا گیا میں خلعت غم سے
 پھر شہریت ملک وفا دی گئی مجھ کو
 حیرت ہے کہ اس بار بزرگوں کی طرف سے
 تکمیل محبت کی دعا دی گئی مجھ کو
 کچھ نام لکھے ہی تھے ابھی میرے قلم نے
 کاغذ کی طرح آگ لگا دی گئی مجھ کو
 گم ہو گیا مستی میں تڑپنے کا مزہ بھی
 کیا چیز قتیل آج پلا دی گئی مجھ کو
 مل جل کے برہنہ جسے دنیا نے کیا ہے
 اس درد نے اب میرا بدن اوڑھ لیا ہے
 میں ریت کے دریا پہ کھڑا سوچ رہا ہوں
 اس شہر میں پانی تو یزیدوں نے پیا ہے
 اے گور کنوں قبر کا دے کر مجھے دھوکا
 تم نے تو خلاؤں میں مجھے گاڑ دیا ہے
 میں صاحب عزت ہوں مری لاش نہ کھولو
 دستار کے پرزوں سے کفن میں نے سیا ہے
 پھیلا ہے ترا کرب قتیل آدھی صدی پر
 حیرت ہے کہ تو اتنے برس کیسے جیا ہے
 یہ بات پھر مجھے سورج بتائے آیا ہے
 ازل سے میرے تعاقب میں میرا سایا ہے
 بلند ہوتی چلی جا رہی ہیں دیواریں
 اسیر در ہے وہ جس نے مجھے بلایا ہے
 میں لا زوال تھا مٹ مٹ کے پھر ابھرتا رہا
 گنوا گنوا کے مجھے زندگی نے پایا ہے
 وہ جس کے نین ہیں گہرے سمندروں جیسے
 وہ اپنی ذات میں مجھ کو ڈبوئے آیا ہے
 ملی ہے اس کو بھی شہرت قتیل میری طرح
 جب اس نے اپنے لبوں پر مجھے سجایا ہے
 مہرباں ہم پہ جو تقدیر ہماری ہوگی
 آپ کی زلف گرہ گیر ہماری ہوگی
 عمر بھر آپ ہی دیکھیں گے کوئی خواب طرب
 لیکن اس خواب کی تعبیر ہماری ہوگی
 آج کی رات ہے عرفان حجابات کی رات
 آج ہر شمع میں تتویر ہماری ہوگی
 آج پھر وصل کے اڑتے ہوئے لمحے سن لیں
 وقت کے پاؤں میں زنجیر ہماری ہوگی
 کچھ بھی ہو آپ کے ماحول کا معیار حیات
 آپ کے ذہن میں تصویر ہماری ہوگی

تہمتوں سے ہمیں دے گا یہ جہاں داد وفا
 اب اسی ڈھنگ سے توقیر ہماری ہوگی
 ایک عنوان میں سمٹ آئیں گے سو نام قتیل
 داستاں جب کوئی تحریر ہماری ہوگی
 جھمکنے جھومتے موسم کا دھوکا کھا رہا ہوں میں
 بہت لہرائے ہیں بادل مگر پیاسا رہا ہوں میں
 بوئی جب دھوپ کی بارش مرے سر پر تو کیا ہوگا
 درختوں کے گھنے سایوں میں بھی سنولا رہا ہوں میں
 وہی کچھ کر رہا ہوں جو کیا میرے بزرگوں نے
 نئے ذہنوں پہ اپنے تجربے برسا رہا ہوں میں
 یہ تہمت خاک تہمت ہے مرے ہم جرم ہمسایو
 تمہاری عمر میں تم سے کہیں رسوا رہا ہوں میں
 خیال آتا ہے بازاروں کی رونق دیکھ کر مجھ کو
 بھرے دریا میں تنکا بن کے بہتا جا رہا ہوں میں
 تری آغوش چھوٹی تو ملی وہ بد دعا مجھ کو
 کہ اب اپنی ہی ہانپوں میں سمٹتا جا رہا ہوں میں
 قتیل اب تک ندامت ہے مجھے ترک محبت پر
 ذرا سا جرم کر کے آج بھی پچھتا رہا ہوں میں
 تھی ہم آغوشی مگر کچھ بھی مجھے حاصل نہ تھا
 وہ اک ایسا لمس تھا جس میں بدن شامل نہ تھا
 ریت کی دلدل ملی مجھ کو سمندر پار بھی
 میں وہاں اترا جہاں ساحل کبھی ساحل نہ تھا
 وہ تو اک سازش تھی میرے خون کی میرے خلاف
 جس کے سر الزام آیا وہ مرا قاتل نہ تھا
 ہم نے کاٹے پیڑ تو سایوں کی یاد آنے لگی
 لیکن اب حرف ندامت سے بھی کچھ حاصل نہ تھا
 سر پہ آگرتا ہے تکمیل محبت کا پہاڑ
 ورنہ اظہار تمنا تو کوئی مشکل نہ تھا
 پر لگا کر اڑ گئے آخر مری نیندوں کے ساتھ
 پیار کے وہ خواب جن کا کوئی مستقبل نہ تھا
 ان سے مل کر یہ بھی دیکھی شعبدہ بازی قتیل
 دھڑکنیں موجود تھیں سینے میں لیکن دل نہ تھا
 ہم کو تو انتظار سحر بھی قبول ہے
 لیکن شب فراق ترا کیا اصول ہے
 اے ماہ نیم شب تری رفتار کے نثار
 یہ چاندنی نہیں ترے قدموں کی دھول ہے
 کانٹا ہے وہ کہ جس نے چمن کو لہو دیا
 خون بہار جس نے پیا ہے وہ بھول ہے
 دیکھا تھا اہل دل نے کوئی سرو نو بہار
 دامن الجھ گیا تو پکارے ببول ہے
 باقی ہے پو پھٹے بھی ستاروں کی روشنی
 شاید مریض شب کی طبیعت ملول ہے
 جب معتبر نہیں تھا مرا عشق بدگماں
 اب حسن خود فروش کا رونا فضول ہے
 لٹ کر سمجھ رہے ہیں کہ نادم ہے رابزن
 کتنی حسین اہل مروت کی بھول ہے
 وصال کی سرحدوں تک آ کر جمال تیرا پلٹ گیا ہے
 وہ رنگ تو نے مری نگاہوں پہ جو بکھیرا پلٹ گیا ہے
 کہاں کی زلفیں کہاں کے بادل سوائے تیرے نصیبوں کے
 مری نظر نے جسے پکارا وہی اندھیرا پلٹ گیا ہے

نہ چھاؤں کرنے کو ہے وہ آنچل نہ چین لینے کو ہیں وہ بانہیں
 مسافروں کے قریب آ کر ہر اک بسیرا پلٹ گیا ہے
 مرے تصور کے راستوں میں ابھر کے ڈوبی ہزار آہٹ
 نہ جانے شام الم سے مل کر کہاں سویرا پلٹ گیا ہے
 ملا محبت کا روگ جس کو قتیل کہتے ہیں لوگ جس کو
 وہی تو دیوانہ کر کے تیری گلی کا پھیرا پلٹ گیا ہے
 بے خودی میں پہلوئے اقرار پہلے تو نہ تھا
 اتنا غافل وہ بت عیار پہلے تو نہ تھا
 اہل دل جاتے ہیں اب دار و رسن کی راہ سے
 اس قدر مشکل وصال یار پہلے تو نہ تھا
 مصر کی گلیاں اتر آئی ہیں اپنے شہر میں
 حسن والوں کا یہ حال زار پہلے تو نہ تھا
 آ رہی ہے خود بخود شاید کوئی منزل قریب
 مہرباں یوں قافلہ سالار پہلے تو نہ تھا
 اس میں بھی کچھ راز ہے ورنہ دیار حسن میں
 درد مندوں کا کوئی غم خوار پہلے تو نہ تھا
 بوش میں آئے لگے ہیں ان بہاروں کے طفیل
 ورنہ دیوانوں کا یہ کردار پہلے تو نہ تھا
 روز و شب اپنے لئے ہیں قتل کے فتوے قتیل
 مفتی شہر اس قدر دین دار پہلے تو نہ تھا
 تمام تر اسی خانہ خراب جیسا ہے
 مرے لہو کا نشہ بھی شراب جیسا ہے
 نہا رہا ہوں میں اس کے بدن کی کرنوں میں
 وہ آدمی ہے مگر مایتاب جیسا ہے
 کروں تلاش جواہر تو ریت ہاتھ آئے
 سمندروں کا چلن بھی سراب جیسا ہے
 جلا گیا مجھے اپنے بدن کی ٹھنڈک سے
 وہ جس کا رنگ دہکتے گلاب جیسا ہے
 قتیل کام و دین اپنا ساتھ دیں کہ نہ دیں
 وفا کا ذائقہ لیکن شباب جیسا ہے
 کوئی مقام سکوں راستے میں آیا نہیں
 ہزار پیڑ ہیں لیکن کہیں بھی سایا نہیں
 کسے پکارے کوئی آبٹوں کے صحرا میں
 یہاں کبھی کوئی چہرہ نظر تو آیا نہیں
 بھٹک رہے ہیں ابھی تک مسافران وصال
 ترے جمال نے کوئی دیا جلایا نہیں
 بکھر گیا ہے خلا میں کرن کرن ہو کر
 وہ چاند جو کسی پہلو میں جگمگایا نہیں
 ترس گئی ہے زمیں بادلوں کی صورت کو
 کسی ندی نے کوئی گیت گنگنایا نہیں
 اجڑ گیا تھا کسی زلزلے میں شہر وفا
 نہ جانے پھر اسے ہم نے بھی کیوں بسایا نہیں
 قتیل کیسے کٹے گی یہ دوپہر غم کی
 مرے نصیب میں ان گیسوؤں کا سایا نہیں
 صدمے جھیلوں جان پہ کھیلوں اس سے مجھے انکار نہیں ہے
 لیکن ترے پاس وفا کا کوئی بھی معیار نہیں ہے
 یہ بھی کوئی بات ہے آخر دور ہی دور رہیں متوالے
 برجانی ہے چاند کا جوین یا پنچھی کو پیار نہیں ہے
 ایک ذرا سا دل ہے جس کو توڑ کے بھی تم جا سکتے ہو
 یہ سونے کا طوق نہیں یہ چاندی کی دیوار نہیں ہے

ملاحوں نے ساحل ساحل موجوں کی توہین تو کر دی
 لیکن پھر بھی کوئی بھنور تک جانے کو تیار نہیں ہے
 پھر بھی وہی سیلاب حوادث جانے دو اے ساحل والو
 یا اس بار سفینہ ڈوبا یا اس کے منجدھار نہیں ہے
 قید قفس کے بعد کرے گا قید گلستاں کون گوارا
 اب بھی وہی زنجیریں ہیں گو پہلی سی جھنکار نہیں ہے
 پھول پہ دھول بیول پہ شبنم دیکھنے والے دیکھتا جا
 اب ہے یہی انصاف کا عالم دیکھنے والے دیکھتا جا
 پروانوں کی راکھ اڑا دی باد سحر کے جھونکوں نے
 شمع بنی ہے پیکر ماتم دیکھنے والے دیکھتا جا
 جام بہ جام لگی ہیں مہریں مے خانوں پر پہرے ہیں
 روتی ہے برسات چھما چھم دیکھنے والے دیکھتا جا
 اس نگری کے راج دلارے ایک طرح کب رتے ہیں
 ڈھلتے سائے بدلتے موسم دیکھنے والے دیکھتا جا
 مصلحتوں کی دھول جمی ہے اکھڑے اکھڑے قدموں پر
 جھجک جھجک کر اڑتے برجہم دیکھنے والے دیکھتا جا
 ایک پرانا مدفن جس میں دفن ہیں لاکھوں امیدیں
 چھلنی چھلنی سینہ آدم دیکھنے والے دیکھتا جا
 ایک ترا ہی دل نہیں گھائل درد کے مارے اور بھی ہیں
 کچھ اپنا کچھ دنیا کا غم دیکھنے والے دیکھتا جا
 کم نظروں کی اس دنیا میں دیر بھی ہے اندھیر بھی ہے
 پتھرایا ہر دیدہ پر نم دیکھنے والے دیکھتا جا
 احترام لب و رخسار تک آ پہنچے ہیں
 بوالہوس بھی مرے معیار تک آ پہنچے ہیں
 جو حقائق تھے وہ اشکوں سے ہم آغوش ہوئے
 جو فسانے تھے وہ سرکار تک آ پہنچے ہیں
 کیا وہ نظروں کو جھروکے میں معلق کر دیں
 جو ترے سایہ دیوار تک آ پہنچے ہیں
 اپنی تقدیر کو روتے رہیں ساحل والے
 جن کو آنا تھا وہ منجدھار تک آ پہنچے ہیں
 اب تو کھل جائے گا شاید تری الفت کا بھرم
 اہل دل جرات اظہار تک آ پہنچے ہیں
 ایک تم ہو کہ خدا بن کے چھپے بیٹھے ہو
 ایک ہم ہیں کہ لب دار تک آ پہنچے ہیں
 سایہ زلف سیہ فام کہاں تک پہنچے
 جانے یہ سلسلہ شام کہاں تک پہنچے
 دور افق پار سہی پا تو لیا ہے تجھ کو
 دیکھ ہم لے کے ترا نام کہاں تک پہنچے
 یہ سسکتی ہوئی راتیں یہ بلکنے منظر
 ہم بھی اے سایہ گلفام کہاں تک پہنچے
 نہ کہیں سایہ گل ہے نہ کہیں ذکر حبیب
 اور اب گردش ایام کہاں تک پہنچے
 ہم تو رسوا تھے مگر ان کی نظر بھی نہ بچی
 ہم پہ آئے ہوئے الزام کہاں تک پہنچے
 مطمئن گرمی احساس جفا سے بھی نہیں
 دل کو پہنچے بھی تو آرام کہاں تک پہنچے
 ان کی آنکھوں کو دینے تھے جو مری آنکھوں نے
 کس سے پوچھوں کہ وہ پیغام کہاں تک پہنچے
 لہو میں ڈوبا ہوا ملا ہے وفا کا ہر اک اصول تجھ کو
 میں جانتا ہوں پسند کیوں ہیں گلاب کے سرخ پھول تجھ کو

گواہ بن کر بتا رہی ہیں یہ سرخیاں تیری انگلیوں کی
 سمیٹے پڑ رہے ہیں خونخوار جنگلوں کے ببول تجھ کو
 تھکی انا کا سفر کہاں تک کہیں تو رک جا کہیں تو دم لے
 بنا دیا ہے مسافتوں نے ترے قدم کی ہی دھول تجھ کو
 یہ ریزہ ریزہ سی آرزوئیں کہیں تو کر دے مرے حوالے
 میں اپنے بکھرے بدن کی مانند دیکھتا ہوں ملول تجھ کو
 افق کے اس پار بھی مناسب نہیں ہے ادرش کا تعاقب
 کہیں تجھے ہے وطن نہ کر دے ترا یہ شوق فضول تجھ کو
 وہ خط رقیبوں کے ہاتھ آیا لکھا تھا جو میرے نام تو ہے
 کہاں کہاں کر چکی ہے رسوا تری یہ چھوٹی سی بھول تجھ کو
 تجھی کو نفرت رہی ہے جن سے وہ جن کی تعبیر صرف تو ہے
 وہ آخر شب کے خواب کرنے پڑیں گے آخر قبول تجھ کو
 قتیل کتنے ہی لفظ اپنی اساس کا ذائقہ بدل لیں
 اگر بتا دوں کبھی میں اپنی غزل کی شان نزول تجھ کو
 الفت کی نئی منزل کو چلا تو بانہیں ڈال کے بانہوں میں
 دل توڑنے والے دیکھ کے چل ہم بھی تو پڑے ہیں راہوں میں
 کیا کیا نہ جفائیں دل پہ سہیں پر تم سے کوئی شکوہ نہ کیا
 اس جرم کو بھی شامل کر لو میرے معصوم گناہوں میں
 جب چاندنی راتوں میں تم نے خود ہم سے کیا اقرار وفا
 پھر آج ہیں ہم کیوں بیگانے تیری ہے رحم نگاہوں میں
 ہم بھی ہیں وہی تم بھی ہو وہی یہ اپنی اپنی قسمت ہے
 تم کھیل رہے ہو خوشیوں سے ہم ڈوب گئے ہیں آہوں میں
 حدود جلوۂ کون و مکاں میں رہتے ہیں
 نہ جانے اہل نظر کس جہاں میں رہتے ہیں
 ہمیں تو موسم گل نے ہی کر دیا رسوا
 سنا ہے لوگ سلامت خزاں میں رہتے ہیں
 عیاں ہے ان کے ستم سے ہمارا ذوق نیاز
 ہم آگ بن کے مزاج بتاں میں رہتے ہیں
 کہاں تلاش کرے گی ہمیں بہار کہ ہم
 کبھی قفس میں کبھی اشیاء میں رہتے ہیں
 وہ راز جن کا لبوں نے نہ احترام کیا
 برہنہ ہو کے دل رازداں میں رہتے ہیں
 غرور حکمت و دانش میں جھومنے والو
 کچھ اہل دل بھی اسی خاکدماں میں رہتے ہیں
 قتیل ارض وطن میں بھی ہوں میں خاک بسر
 مرے نصیب کہیں آسمان میں رہتے ہیں
 زندگی کے غم لاکھوں اور چشم نہ تنہا
 حسرتوں کی میت پر رو رہے ہیں ہم تنہا
 مل سکا نہ کوئی بھی ہم سفر زمانے میں
 کاٹتے رہے برسوں جادۂ الم تنہا
 کھیل تو نہیں یارو راستے کی تنہائی
 کوئی ہم کو دکھلائے چل کے دو قدم تنہا
 دل کو چھیڑتی ہوگی یاد رفتگاں اکثر
 لاکھ جی کو بہلائیں شیخ محترم تنہا
 مسجدیں ترستی ہیں اس طرف اذانوں کو
 اس طرف شوالوں میں رہ گئے صنم تنہا
 اس بھری خدائی میں وہ بھی آج اکیلے ہیں
 خلوتوں میں رہ کر بھی جو رہے تھے کم تنہا
 تھی قتیل چاہت میں ان کی بھی رضا شامل
 پھر بھی ہم ہی ٹھہرے ہیں مورد ستم تنہا

جب اپنے اعتقاد کے محور سے ہٹ گیا
 میں ریزہ ریزہ ہو کے حریفوں میں ہٹ گیا
 دشمن کے تن پہ گاڑ دیا میں نے اپنا سر
 میدان کارزار کا پانسہ پلٹ گیا
 تھوڑی سی اور زخم کو گہرائی مل گئی
 تھوڑا سا اور درد کا احساس گھٹ گیا
 درپیش اب نہیں ترا غم کیسے مان لوں
 کیسا تھا وہ پہاڑ جو رستے سے ہٹ گیا
 اپنے قریب پا کے معطر سی آہٹیں
 میں بار بار سنکتی ہوا سے لپٹ گیا
 جو بھی ملا سفر میں کسی پیڑ کے تلے
 آسیب بن کے مجھ سے وہ سایا چمٹ گیا
 لٹتے ہوئے عوام کے گھر بار دیکھ کر
 اے شہریار تیرا کلیجہ نہ پھٹ گیا
 رکھے گا خاک ربط وہ اس کائنات سے
 جو ذرہ اپنی ذات کے اندر سمٹ گیا
 چوروں کا احتساب نہ اب تک ہوا قتیل
 جو ہاتھ بے قصور تھا وہ ہاتھ کٹ گیا
 حادثے پھیل گئے سایہ مڑگاں کی طرح
 غم دوراں بھی ملا بے غم جاناں کی طرح
 لاکھ پیوند امیدوں نے لگا رکھے ہیں
 دل کی صورت نظر آتی بے گریباں کی طرح
 کوئی افلاک نشیں بے تو پکارے مجھ کو
 حسرتیں خاک بسر ہیں مری طوفاں کی طرح
 اور ہوں گے وہ میسر بے جنہیں لطف بہار
 ہم تو گلشن میں بھی رہتے ہیں بیاباں کی طرح
 جو بھی گل بے یہاں فردوس بنا بیٹھا ہے
 کون کھلتا ہے یہاں غنچہ عصیاں کی طرح
 یہ بھی اعجاز کہیں باد مخالف کا نہ ہو
 دل اڑا جاتا ہے اورنگ سلیمیاں کی طرح
 خوف محشر سے نہ گھبراؤ تم اے بادہ کشو
 در توبہ بھی کھلا ہے در زنداں کی طرح
 ہم کیا کرتے ہیں اشکوں سے تواضع کیا کیا
 جب خیالوں میں وہ آ جاتے ہیں مہماں کی طرح
 نہ کوئی ساز نہ سنگیت نہ پازیب نہ گیت
 اف یہ ماحول کہ بے شہر خموشاں کی طرح
 ہم ترے مصر میں آئے ہیں زلیخائے شکم
 بک نہ جائیں کہیں ہم یوسف کنعاں کی طرح
 اندیشہ ارباب حرم ساتھ رہے گا
 جنت بھی ملے گی تو یہ غم ساتھ رہے گا
 پیاسے ہی گزر جائیں گے ہم راہ طلب سے
 عبرت کے لئے ساغر جم ساتھ رہے گا
 منزل سے پلٹ آئے گی ایک ایک تجلی
 ہاں شعلہ رخسار صنم ساتھ رہے گا
 تو اور نہ آئے در زندان وفا تک
 مر کر بھی یہ غم تیری قسم ساتھ رہے گا
 افلاک سے پلکوں پہ اتر آئیں گے تارے
 کھل کر بھی شب غم کا بھرم ساتھ رہے گا
 مے خانہ بہت دور نہیں دیدہ نہ سے
 آ گردش دوراں کوئی دم ساتھ رہے گا

راہوں میں قَتیل آئیں گے سو اُنہ خانے
 لیکن مرا گل پوش قلم ساتھ رہے گا
 طرب خانوں کے نغمے غم کدوں کو بھا نہیں سکتے
 ہم اپنے جام میں اپنا لہو چھلکا نہیں سکتے
 چمن والے خزاں کے نام سے گھبرا نہیں سکتے
 کچھ ایسے پھول بھی کھلتے ہیں جو مرجھا نہیں سکتے
 نگاہیں ساتھ دیتی ہیں تو سنتے ہیں وہ افسانے
 جو پلکوں سے جھلکتے ہیں زباں پر آ نہیں سکتے
 اب آ کر لاج بھی رکھ لے خزاں دیدہ بہاروں کی
 یہ دیوانے فسانوں سے تو جی بہلا نہیں سکتے
 کچھ ایسی دکھ بھری باتیں بھی ہوتی ہیں محبت میں
 جنہیں محسوس کرتے ہیں مگر سمجھا نہیں سکتے
 چلو پابندی فریاد بھی ہم کو گوارا ہے
 مگر وہ گیت جو ہم مسکرا کر گا نہیں سکتے
 ہمیں پتوار اپنے ہاتھ میں لینے پڑیں شاید
 یہ کیسے ناخدا ہیں جو بھنور تک جا نہیں سکتے
 پیار دلار کے سائے سائے چلا کرو
 جلتے لوگو کچھ تو اپنا بہلا کرو
 پیار کی آنچ نکھار کا باعث بنتی ہے
 جلنا ہے تو پیار کی آگ میں جلا کرو
 سوچ تمہاری کند بن کر دمکے گی
 کسی کی تپتی یادوں میں تم ڈھلا کرو
 بیڑ یہاں کچھ سدا بہار بھی ہوتے ہیں
 موسم موسم تم بھی پھولا پھلا کرو
 کوئی منظر پاؤں کی زنجیر نہیں
 وادی وادی آزادی سے چلا کرو
 اس میں ہیں کچھ بدنامی کے پہلو بھی
 جھوٹے چھلیل سے مت کسی کو چھلا کرو
 ننگا کر دیتی ہے غم کو ہنسی قَتیل
 چہرے پر یہ غارہ کم کم کرا کرو
 حالات کی اجڑی محفل میں اب کوئی سلگتا ساز نہیں
 نغمے تو لپکتے ہیں لیکن شعلوں سا کہیں انداز نہیں
 ہر برگ حسیں کو دیتے ہیں زخموں کے مہکتے نذرانے
 کانٹوں سے بڑا اس گلشن میں پھولوں کا کوئی دم ساز نہیں
 یا سایہ گل کا ہے یہ کرم یا فرق ہے دانے پانی کا
 پنچھی تو وہی ہیں گلشن میں پہلی سی مگر پرواز نہیں
 مرقد سا بنا ہے خوشبو کا منہ بند کلی کے سینے میں
 اے شام گلستاں تو ہی بتا یہ بھی تو کسی کا راز نہیں
 چھلکے نہ سبو اور جھوم اٹھیں قطرہ نہ ملے اور پیاس بجھے
 یہ طرف ہے پینے والوں کا ساقی کا کوئی اعجاز نہیں
 اے صحن چمن کے زندانی کر جشن طرب کی تیاری
 بجتے ہیں بہاروں کے کنگن زنجیر کی یہ آواز نہیں
 کیا خبر کب نیند آئے دیدہ بے خواب میں
 شام سے ہم جل رہے ہیں سایہ مہتاب میں
 اب تمہاری یاد سے پڑتے ہیں یوں دل میں بھنور
 جیسے کنکر پھینک دے کوئی بھرے تالاب میں
 جس گلی میں گھر تمہارا ہے کرو اس کا خیال
 ہم تو ہیں بد نام اپنے حلقہ احباب میں
 اہل دل جاتے تھے پہلے صرف مقتل کی طرف
 خود کشی بھی اب ہے شامل عشق کے آداب میں

یوں کسی کا پیار آغوش بوس میں جا چھپا
کوئی لاش جس طرح لیٹا ہوا کمخاب میں
رحمت یزداں سے مانگی ہم نے دو چھینٹوں کی بھیک
وہ ہوا جل تھل کہ بستی بہم گئی سیلاب میں
گردش دوراں کی زد میں یوں ہے اپنی زندگی
جیسے چکراتی ہو کشتی حلقہ گرداب میں
وادئ سرین میں تھیں جو مہرباں مجھ پر قتیل
وہ بہاریں ڈھونڈھتی ہیں اب مجھے پنجاب میں
افق کے اس پار زندگی کے اداس لمحے گزاراؤں
اگر مرا ساتھ دے سکو نہ تو موت کو بھی پکاراؤں
کچھ اس طرح جی رہا ہوں جیسے اٹھائے پھرتا ہوں لاش اپنی
جو تم ذرا سا بھی دو سہارا تو بار بستی اتاراؤں
بدل گئے زندگی کے محور طواف دیر و حرم کہاں کا
تمہاری محفل اگر ہو باقی تو میں بھی پروانہ وار اؤں
کوئی تو ایسا مقام ہوگا جہاں مجھے بھی سکون ملے گا
زمین کے تیور بدل رہے ہیں تو آسماں کو سنواراؤں
اگرچہ اصرار ہے خودی ہے تجھے بھی زر پوش محفلوں میں
مجھے بھی ضد ہے کہ تیرے دل میں نقوش ماضی ابھار اؤں
سنا ہے ایک اجنبی سی منزل کو اٹھ رہے ہیں قدم تمہارے
برا نہ مانو تو رہنمائی کو میں سر رہ گزاراؤں
خیال جبہ و دستار بھی نہیں باقی
وہ کشمکش ہے کہ اک تار بھی نہیں باقی
چمن کو روند گئے قافلے بہاروں کے
گلوں کا ذکر ہی کیا خار بھی نہیں باقی
لگی ہوئی ہیں ضمیر حیات پر مہربیں
کسی میں جرات اظہار بھی نہیں باقی
کبھی کبھی جو رگ جاں سے پھوٹ پڑتا ہے
وہ نغمہ رسن و دار بھی نہیں باقی
ہمیں تو کفر کا طعنہ دیا تھا واعظ نے
حرم میں اب کوئی دیں دار بھی نہیں باقی
لٹا جو اپنا گلستاں تو ہم نے یہ سمجھا
کوئی بہشت افق پار بھی نہیں باقی
گزر گئے وہ سخن فہمیوں کے بنگامے
کوئی کسی کا طرفدار بھی نہیں باقی
ستم کے بعد کرم کی ادا بھی خوب رہی
جفا تو خیر جفا تھی وفا بھی خوب رہی
بہ فیض گردش دوراں انہیں بھی پیار آیا
بہ پاس مصلحت ان کی رضا بھی خوب رہی
بصد خلوص قناعت کی داد ملتی ہے
گدا نوازی اہل سخا بھی خوب رہی
لگی ہے مہر مقدر کی دانے دانے پر
یہ خوش مذاقی شان خدا بھی خوب رہی
کہیں شکم کے تقاضے نظر نہیں آتے
چراغ دیر و حرم کی ضیا بھی خوب رہی
ہمارے ہاتھ سے آتی ہے بوئے پیراں
ہمارے حسن طلب کی ادا بھی خوب رہی
یہ مرا بجھتا سلگتا سن یہ میرے رات دن
کس طرح کٹتے بھلا تجھ بن یہ میرے رات دن
بیتے ساون کہہ رہے ہیں یہ چھما چھم تھے کبھی
اب تو ہیں گویا فقط کن من یہ میرے رات دن

میں نے ارمانوں کا پہلا رقص دیکھا تھا جہاں
 کاش ہو جاتے وہیں ساکن یہ میرے رات دن
 ڈھونڈ لاتے ہیں ہمیشہ میرے جرموں کا جواز
 یہ مرے سب سے بڑے محسن یہ میرے رات دن
 تو سمجھتا ہے جدا خود کو اگر مجھ سے تو پھر
 سینکڑوں سے ضرب دے کر گن یہ میرے رات دن
 ڈر رہا ہوں عمر کی ناپائیداری سے قتیل
 وقت کے ہاتھوں نہ جائیں چھن یہ میرے رات دن
 گریباں در گریباں نکتہ آرائی بھی ہوتی ہے
 بہار آئے تو دیوانوں کی رسوائی بھی ہوتی ہے
 ہم ان کی بزم تک جا ہی پہنچتے ہیں کسی صورت
 اگرچہ راہ میں دیوار تنہائی بھی ہوتی ہے
 بکھرتی ہے وہی اکثر خزاں پرور بہاروں میں
 چمن میں جو کلی پہلے سے مرجھائی بھی ہوتی ہے
 بنام کفر و ایمان ہے مروت ہیں جہاں دونوں
 وہاں شیخ و برہمن کی شناسائی بھی ہوتی ہے
 چمکتی ہے کوئی بجلی تو شمع رہ گزر بن کر
 نگاہ برہم ان کی کچھ تو شرمائی بھی ہوتی ہے
 قتیل اس دم بھی رہتا ہے یہی احساس محرومی
 جب ان شانوں پہ زلفوں کی گھٹا چھائی بھی ہوتی ہے
 گاتے ہوئے پیڑوں کی خنک چھاؤں سے آگے نکل آئے
 ہم دھوپ میں جلنے کو ترے گاؤں سے آگے نکل آئے
 ایسا بھی تو ممکن ہے ملے ہے طلب اک مژدہ منزل
 ہم اپنی دعاؤں سے تمناؤں سے آگے نکل آئے
 تھوڑا سا بھی جن لوگوں کو عرفان مذاہب تھا وہ بچ کر
 کعبوں سے شوالوں سے کلیساؤں سے آگے نکل آئے
 تھے ہم بھی گناہ گار ہر اک زاہد مکار کی ضد میں
 بازار میں بکتی ہوئی سلماؤں سے آگے نکل آئے
 شہروں کے مکینوں سے ملی جب ہمیں وحشت کی ضمانت
 ہم سی کے گریبانوں کو صحراؤں سے آگے نکل آئے
 بنتی رہی اک دنیا قتیل اپنی خریدار مگر ہم
 یوسف نہ بنے اور زلیخاؤں سے آگے نکل آئے
 کچھ غنچہ لبوں کی یاد آئی کچھ گل بدوں کی یاد آئی
 جو آنکھ جھپکتے بیت گئیں ان انجمنوں کی یاد آئی
 مجروح گلوں کے دامن میں پیوند لگے ہیں خوشبو کے
 دیکھا جو بہاروں کا یہ چلن سنسان بنوں کی یاد آئی
 تھی بوش و خرد سے کس کو غرض ارباب جنوں کے حلقے میں
 جب فصل بہاراں چیخ اٹھی تب پیربنوں کی یاد آئی
 کیا کم ہے کرم یہ اپنوں کا پہچاننے والا کوئی نہیں
 جو دیس میں بھی پردیسی ہیں ان ہم وطنوں کی یاد آئی
 شیریں کی اداؤں پر مائل پرویز کی سطوت سے خائف
 جو بن نہ سکے فریاد کبھی ان تیشہ زنوں کی یاد آئی
 چھایا ہے قتیل اکثر دل پر نادیدہ نظاروں کا جادو
 ہم بادبہ پیما تھے لیکن پھر بھی چمنوں کی یاد آئی
 گاتے ہوئے پیڑوں کی خنک چھاؤں سے آگے نکل آئے
 ہم دھوپ میں جلنے کو ترے گاؤں سے آگے نکل آئے
 ایسا بھی تو ممکن ہے ملے ہے طلب اک مژدہ منزل
 ہم اپنی دعاؤں سے تمناؤں سے آگے نکل آئے
 کہتے ہیں کہ جسموں کو اک روح مقدس کی دعا ہے
 وہ جسم کہ جو اپنے تھکے پاؤں سے آگے نکل آئے

تھوڑا سا بھی جن لوگوں کو عرفان مذاہب تھا وہ بچ کر
 کعبوں سے شوالوں سے کلیساؤں سے آگے نکل آئے
 تھے ہم بھی گنہ گار پر اک زاہد مکار کی ضد
 بازار میں بکتی ہوئی سلماؤں سے آگے نکل آئے
 شہروں کے مکینوں سے ملی جب ہمیں وحشت کی ضمانت
 ہم سی کے گریبانوں کو صحراؤں سے آگے نکل آئے
 بنتی رہی اک دنیا قتیلِ اپنی خریدار مگر ہم
 یوسف نہ بنے اور زلیخاؤں سے آگے نکل آئے
 حکایات لب و رخسار سے آگے نہیں جاتے
 وہ نغمے جو تمہارے پیار سے آگے نہیں جاتے
 کمندیں ڈالنے آئے تھے جو بامِ ثریا پر
 وہی اب سایہ دیوار سے آگے نہیں جاتے
 گدائے ذات کیا جانیں نوائے کائنات اے دل
 یہ وہ منصور ہیں جو دار سے آگے نہیں جاتے
 بڑی ہمت دکھائیں گے تو ساحل چھوڑ جائے گا
 ہمارے ناخدا منجدھار سے آگے نہیں جاتے
 عجب اہل سماعت ہیں جو زنجیروں سے گھبرا کر
 تری پازیب کی جھنکار سے آگے نہیں جاتے
 مرتب جن کو اپنی اہلِ پائی نہیں کرتی
 وہ افسانے گل و گلزار سے آگے نہیں جاتے
 وہی گیسوؤں کی اڑان ہے وہی عارضوں کا نکھار ہے
 یہ کسی کی شان ورود ہے کہ مری نظر کا وقار ہے
 تری خود پسند نوازشیں مرا جی لبھا کے گزر گئیں
 مگر اف یہ دیدہ مطمئن جو گدائے راہ گزار ہے
 ابھی کونپلوں میں وہ رس کہاں جو گلوں کا روپ بدل سکے
 ابھی گل فروش کے ہاتھ سے ہمیں احتیاج بہار ہے
 مری سادگی کے خلوص ہے تجھے بخش دی وہ برہنگی
 جو نفس نفس کی ہے تشنگی جو نظر نظر کی پکار ہے
 یہی دل فریب تجلیاں مجھے دو جہاں سے عزیز ہوں
 مگر اے جمال سحر نما مرا گھر جو تیرہ و تار ہے
 غم ذات سے مری زندگی غم کائنات میں ڈھل گئی
 کسی بزمِ ناز میں کھو کے بھی مجھے کائنات سے پیار ہے
 جب سے اسیرِ زلفِ گرہ گیر ہو گیا
 میں بے نیاز حلقہ زنجیر ہو گیا
 جاتا کہاں بھلا تری محفل کو چھوڑ کر
 میں اپنے آپ پاؤں کی زنجیر ہو گیا
 نور جہاں کوئی نہ کوئی یوں تو سب کی تھی
 دولت سے ایک شخص جہانگیر ہو گیا
 مجھ میں رچی ہوئی تری خوشبو تھی اس لئے
 بڑھ کر عدو بھی مجھ سے بغل گیر ہو گیا
 پھر باندھ لی کسی سے امید وفا قتیل
 پھر اک محلِ ہواؤں میں تعمیر ہو گیا
 ہر طرف سطوتِ ارژنگ دکھائی دے گی
 رنگِ برسیں گے زمیں دنگ دکھائی دے گی
 بارشِ خونِ شہیداں سے وہ آئے گی بہار
 ساری دھرتی ہمیں گل رنگ دکھائی دے گی
 پریتوں سے نکل آئیں گے تھرکتے پیکر
 نغمہ زن، خامشئِ سنگ دکھائی دے گی
 راز میں رہ نہ سکے گی کوئی اظہار کی لے
 اک نہ اک صورتِ آہنگ دکھائی دے گی

سوچ کو جرات پرواز تو مل لینے دو
یہ زمیں اور ہمیں تنگ دکھائی دے گی
تاج کائناتوں کا سہی ایک نہ اک دن لیکن
عاشقی زینت اور نگ دکھائی دے گی
جب بھی پرکھے گا کوئی پیار کے معیار قتیل
ساری دنیا مرے پاسنگ دکھائی دے گی
چلو یوں ہی سہی ترک تعلق کر ہی لیتے ہیں
جو تم خوش ہو تو ہم مرنے سے پہلے مر ہی لیتے ہیں
اگرچہ ہم تمہاری ہی طرح خوددار ہیں پھر بھی
تمہارے نام پر کچھ روز آبیں بھر ہی لینے ہیں
تمہارے عشق کی تہمت بہت اچھی لگی ہم کو
کوئی بھی چیز لینی ہو تو ہم بہتر ہی لیتے ہیں
خدا کے خوف سے کھلتا ہے نیکی کا جو دروازہ
تو ہم بھی نیک بننے کو خدا سے ڈر ہی لیتے ہیں
رہے نقصان میں اب کے بھی کاروبار بستی میں
کم اکثر ہم ستاروں کی جگہ پتھر ہی لیتے ہیں
نہیں ہے گرم جوشی کی تپش باقی اگر تجھ میں
تو پھر ہے مہریوں کی ٹھنڈ میں ہم ٹھر ہی لیتے ہیں
قتیل ان قاتلوں کا سامنا تم ہوش سے کرنا
کبھی لیتے تھے یہ دل بھی مگر اب سر ہی لیتے ہیں

Poet: Qateel Shifai